ذی القعدہ/ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مئی ۲۰۲۶ء
MAY-2026 Rs. 30/-

جانشینِ تاج الشریعہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی

مدیر اعلیٰ مدظلہ العالی

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنّی دُنیا بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA, BAREILLY SHAREEF

عید الاضحیٰ مبارک

قربانی کا موقع اور "جیو ہتیا" کا شور و غوغا
مطالعۂ سیرت کی اہمیت و افادیت
تصانیف تاج الشریعہ کا تجزیاتی مطالعہ
عید الاضحیٰ! سنت ابراہیمی اور ہمارا طرز عمل
جہیز کا مطلقاً بائیکاٹ! ایک متوازن جائزہ
مسلم معاشرے میں رسم "ہلدی" شرعی نقطۂ نظر
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
مشہور و مقبول اصطلاح "بریلوی" پر اعتراض کیوں؟
حضرت خاتون جنت! کتاب حیات کے چند روشن اوراق
عرس تاج الشریعہ! مقصد حاضری و تقاضائے اتباع

آگ برساتے لہجے
عورت اور انٹرنیٹ
کتابوں کے جانثار
کوئی حد ہے ان کے عروج کی
قربانی اور جدید دور کے تقاضے
ہمارے اسلاف کرام کا طریقۂ تبلیغ
آداب حرمین شریفین اور ہماری غفلت

مُدیر: مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

مركز الدراسات الإسلامية جامعة الرضا بريلي شريف يو.بي، هند

CENTER OF ISLAMIC STUDIES JAMIATUR RAZA

MARKAZ NAGAR MATHURAPUR, C.B.GANJ, BAREILLY SHARIF (U.P.)

Imam Ahmad Raza Trust

82-Saudagran, Raza Nagar, Bareilly U.P.-243003 (India)

امام احمد رضا ٹرسٹ

۸۲/سوداگران رضانگر بریلی شریف یوپی (الہند)

E-mail: imamahmadrazatrust@aalaahazrat.com
imamahmadrazatrust@yahoo.co.in
Website: www.aalaahazrat.com, jamiaturraza.com, hazrat.org

Contact No. +91 0581 3291453
+91 9897007120
+91 9897267869

State Bank of India, Bareilly.
A/C No. 030078123009
IFSC Code : SBIN0000597

HDFC Bank, Bareilly
A/c No. 50200004721350
IFSC Code : HDFC0000304

بیادگار

امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

بانی و سرپرست روحانی

وارثِ علوم اعلیٰ حضرت عکسِ حجۃ الاسلام ثانی
مفتیٔ اعظم نور دیدۂ مفسر اعظم تاج الشریعہ
بدر الطریقہ حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی

محمد اختر رضا

خان قادری ازہری بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست و مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادہ و جانشین تاج الشریعہ
قاضی القضاۃ فی الہند پیر طریقت رہبر شریعت
قائد ملت حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی

محمد عسجد رضا

خان قادری نوری بریلوی
مدظلہ العالی

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا

بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

مدیر: مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

ذی قعدہ / ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ

مئی ۲۰۲۶ء

شمارہ نمبر ۵ — Issue No. 5

جلد نمبر ۱۱ — Vol. 11

قیمت فی شمارہ ۳۰ روپیے	سالانہ ۳۵۰ روپیے سادہ ڈاک سے	سالانہ ۶۰۰ روپیے رجسٹرڈ ڈاک سے	پاکستان، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ۱۲۰۰ روپیے	امریکہ اور دیگر ممالک سے ۳۵ امریکی ڈالر

انتباہ

کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی شریف کے کورٹ میں قابل سماعت ہوگی، مضمون نگار اور اہل قلم کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

ہدایت

قارئین کرام رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دوپہر ۲ بجے تک موبائل نمبر 8755096981 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

التماس

اہل قلم حضرات اور شعرائے اسلام سے التماس ہے کہ اپنے کمپوز شدہ مضامین و منظومات کی ان پیج یا ڈوک فائل رسالہ کی ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

تزئین کار

عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا

محمد تمہید خان عرشی فائزہ پرنٹرس، حامدی مارکیٹ

رابطہ کا پتہ

ماہنامہ سنی دنیا
۸۲/سوداگران، درگاہ اعلیٰ حضرت
بریلی شریف پن نمبر ۲۴۳۰۰۳

Email:

sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com
atiqahmad@aalaahazrat.com

Visit Us:

www.sunniduniya.com
www.aalaahazrat.com
www.cisjamiaturraza.ac.in

Contact Address

MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82-Saudagran, Dargah Aalahazrat
Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003

Contact Numbers

0581-2458543, 2472166, 3291453

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس، بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲/سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

اس شمارے میں

مشمولات

کالم	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ	قربانی کا موقع اور "جیو ہتیا" کا شوروغوغا	محمد عبد الرحیم نشترؔ فاروقی	5
اسلامیات	قربانی اور جدید دور کے تقاضے	حافظ افتخار احمد قادری	۷
///	عید الاضحیٰ! سنت ابراہیمی اور ہمارا طرز عمل	محمد فداء المصطفیٰ قادری	۲۴
///	جہیز کا مطلقاً بائیکاٹ! ایک متوازن جائزہ	مولانا شمس تبریز خاکیؔ مرکزی	۱۴
///	کوئی حد ہے ان کے عروج کی	پیر محمد اجمل رضا قادری	۱۵
///	مطالعۂ سیرت کی اہمیت وافادیت	مولانا محمد توحید احمد خان رضوی	۲۲
///	مسلم معاشرے میں رسم "ہلدی" شرعی نقطۂ نظر	مولانا انیس الرحمٰن حنفی رضوی	۲۶
احوال قوم وملت	مشہور ومقبول اصطلاح "بریلوی" پر اعتراض کیوں؟	مولانا محمد زاہد علی مرکزی	۲۸
///	تیری بربادیوں میں کے مشورے ہیں آسمانوں میں	ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں	۳۰
///	آگ برساتے لہجے	مفتی غلام مصطفیٰ نعیمی	۳۱
اسلاف واخلاف	حضرت خاتون جنت! کتاب حیات کے چند روشن اوراق	مفتی محمد صابر القادری فیضی	۳۳
///	ہمارے اسلاف کرام کا طریقۂ تبلیغ		۴۷
ازہریات	تصانیف تاج الشریعہ کا تجزیاتی مطالعہ	مولانا انصار احمد مصباحی	۳۹
///	عرس تاج الشریعہ! مقصد حاضری وتقاضائے اتباع	حافظ افتخار احمد قادری	۴۱
مطالعات	کتابوں کے جانثار	محمد معین رضا رضوی	۴۳
ترغیبات	فکر آخرت	علامہ مفتی محمد صالح بریلوی قادری	۴۵
مختصرات	آداب حرمین وشریفین اور ہماری غفلت	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی	۴۹
///	عورت اور انٹرنیٹ	سوشل میڈیا	۴۹
منظومات	مجھے مصطفیٰ کا سہارا بہت ہے	مولانا محمد مدثر حسین اشرفی	۵۳
///	جو کارشنائے شہِ خوباں میں لگے ہیں	مولانا شمس تبریز خاکیؔ مرکزی	۵۳
///	ہم ہاتھ اٹھانا بھی خدا بھول گئے ہیں	مولانا محمد تحسین رضا قادری	۵۳
///	کیسے بندے ہیں یہ بندے کہ خدا یاد نہیں	مولانا غلام غوث اجملی رضوی	۵۳
///	شاہ بطحا کا امتی ہوں میں	مولانا محمد جسیم اکرم مرکزی	۵۴
خیر وخبر	عرس صدر الشریعہ	مولانا محمد انیس عالم سیوانی	۵۴

مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

قربانی کا موقع اور "جیو ہتیا" کا شور وغوغا
تاریخی حقائق کو واشگاف کرتی ایک تجزیاتی تحریر

ادھر چند سالوں سے مسلسل قربانی کے موقع پر" جیو ہتیا" اور" گئو ہتیا" کا بھوت بل سے باہر نکل جاتا ہے اور گاڑیوں میں توڑ پھوڑ، ڈرائیوروں کے ساتھ مار پیٹ اور قربانی کے جانور لے جاتے عام مسلمانوں کو زدوکوب کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے، بعض وقت یہ معاملہ اس قدر تشدد اختیار کر جاتا ہے کہ مسلمانوں کو قتل تک کر دیا جاتا ہے اور پولیس محض تماشائی بنی دیکھتی رہتی ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ بعض ہندو خود بھی کا مکھیا مندر، ترپپورہ سندر مندر، کالی گھاٹ کالی مندر اور اس کے علاوہ بھی کئی مندروں میں گائے، بھینس اور بکروں کی بلی دیتے ہیں، اس کے باوجود بھی ہر سال قربانی کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف ننگا ناچ کرتے ہوئے" جیو ہتیا" کی دہائی دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ظالم وجابر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، عمل یکساں! ایک جگہ خاموشی اور دوسری جگہ شدید ردعمل! آخر یہ دوہرا" چریتر" (رویہ) کیوں؟

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس کے پیچھے کوئی مذہبی جذبہ کارفرما ہے یا یہ محض اپنی روٹی سینکنے کا ایک سیاسی ہتھکنڈا ہے یا کچھ غنڈوں کے لئے اپنی بھیانک شکل چھپانے کا ایک مکھوٹا! آئیے ذیل میں ہم اس حقیقت کا پتہ لگانے کی ایک منصفانہ کوشش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم یہ جانتے ہیں کہ کیا قربانی صرف اسلام میں ایک مذہبی فریضہ ہے یا ہندو مذہب میں بھی اس کی کوئی اہمیت وافادیت ہے۔

ہندو دھرم گرنتھوں میں قربانی اور گوشت خوری کا تذکرہ

ہندومت کے قدیم مذہبی لٹریچر میں بعض مقامات پر گوشت کھانے کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہ مخصوص حالات، قربانی کے مراسم (यज्ञ) یا مخصوص طبقات (مثلاً چھتری) کی ضرورت سے وابستہ رہا ہے۔ ذیل میں ان کتابوں کا حوالے درج کئے جاتے ہیں جن میں گوشت کھانے کی اجازت یا تذکرہ موجود ہے:

1 منواسمرتی میں جہاں سبزی خوری کی تعریف کی گئی ہے، وہیں بعض جگہوں پر گوشت کھانے کے اصول بھی بتائے گئے ہیں۔

دیوتاؤں کے لئے قربانی: منواسمرتی کے مطابق، اگر گوشت کسی مقدس قربانی کے بعد تبرک کے طور پر کھایا جائے، تو اسے گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ (حوالہ: باب 5، شلوک 31)

قربانی کے لیے تیار کیا گیا گوشت کھانا الٰہی قانون کہلاتا ہے، جبکہ اپنی مرضی سے جانور کو مار کر کھانا شیطانی عمل ہے۔

(حوالہ: باب 5، شلوک 35)

یہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مذہبی رسم میں مدعو ہو اور وہ وہاں پیش کیا گیا گوشت نہ کھائے تو وہ اگلے جنم میں اس جانور کی طرح بن جاتا ہے۔

2 مہابھارت کے" ون پروا" میں گوشت خوری پر ایک دلچسپ بحث ملتی ہے، جسے" دھرم ویادھ" کی کہانی کہا جاتا ہے۔

پیشہ ورانہ ضرورت: اس قصے میں ایک قصاب "व्याध" ایک برہمن کو علم سکھاتا ہے، وہ دلیل دیتا ہے کہ زراعت کے دوران بھی زمین میں موجود کیڑے مکوڑے مرتے ہیں، لہٰذا مکمل عدم تشدد ناممکن ہے۔ (حوالہ: ون پروا، باب 208)

یہاں یہ دلیل دی گئی ہے کہ اگر کوئی اپنے خاندانی پیشے کے تحت جانور ذبح کرتا ہے اور اسے خوراک کے طور پر استعمال بھی کرتا ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہے۔

3 ویدک متون قدیم ویدک دور میں خوراک کے حوالے سے تنوع ملتا ہے۔

مہمان نوازی اور رسومات: قدیم دور میں مہمانوں کی تواضع کے لیے بھی بعض اوقات مخصوص جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی، جسے "ماڈھوپرکا" मधुपर्क کی رسم سے جوڑا جاتا ہے۔ (حوالہ: شت پتھ براہمن، کانڈ 3، باب 1، براہمن 2، شلوک 21)

4 آیوروید (جو کہ طبی متن ہے) میں گوشت کو دوا کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

صحت اور طاقت: چرک اسمرتی اور سوشرت اسمرتی میں مختلف جانوروں کے گوشت کے طبی فوائد بتائے گئے ہیں۔

(حوالہ: چرک سمرتی، سوتر استھان، باب 27)

آیوروید کے مطابق، ان لوگوں کے لیے گوشت ضروری قرار دیا گیا ہے جو بہت زیادہ محنت کرتے ہیں، کمزور ہیں، یا جنگجو (چھتری) ہیں، تا کہ ان کی جسمانی طاقت برقرار رہے۔ قدیم دور میں یگیہ یا شرادھ (آباؤ اجداد کی یاد) کے موقع پر گوشت کی قربانی اور اسے کھانا ایک رسم تھی۔ چھتریوں (جنگجو طبقے) کو شکار کرنے اور گوشت کھانے کی اجازت تھی تا کہ ان میں دلیری اور جنگی قوت پیدا ہو۔

طبی ضرورت: بیماری یا شدید کمزوری کی صورت میں آیورویدک علاج کے طور پر گوشت بھی تجویز کیا جاتا تھا۔

ہاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدھ مت اور جین مت کے اثرات کے بعد ہندو معاشرے میں "اہنسا" کا تصور پیدا ہوا، جس کی وجہ سے بعد کے ادوار میں سبزی خوری کو ہی بہترین طرز زندگی تسلیم کر لیا گیا۔

آئیے اب قدرے تفصیل سے ہندو دھرم گرنتھوں میں مذکور جانوروں کی بلی کے حوالے دیکھتے ہیں:

1 اِندر کے لیے گائیوں کی قربانی

"अयं वां गौरिह विश्वतो वा विश्वतो हविषा निर्विण्णः प्राणेन वाचा विश्वमायुरित्था विष्णवे चर्षणीशाय गोषु गव्युतिं विधेम" (Rigveda 10.117.1)

یعنی یہ گائے تمہارے لیے ہے، ہر طرف سے ہر طرف سے ہوی (قربانی) کے ساتھ؛ جس کی سانس، جس کی بات اور جس کی زندگی یہ ہے، ہم وِشنُ، لوگوں کے مالک کے لیے گائیوں میں گھنٹی والی گائے/بھینس کی قربانی کریں گے۔

2 رِگ وید میں ہی کثیر گائیوں اور بھینسوں کی قربانی کرنے کا ذکر

"इन्द्रय चर्षणीशय एकशतं गव्युतिं विधेम"

یعنی اے اِندر، لوگوں کے مالک! ہم ایک سو بھینسیں (گائیں) تیرے لیے قربان کرتے ہیں۔

یہاں गौसु یا गव्युतिं سے مراد گائے/بھینس کی قربانی ہے، جس کا گوشت دیوتا کے نام پر ذبح کر کے پکایا جاتا تھا۔

3 اگنی کے لیے گائے کا اکھاڑا گوشت

"उक्षान्नाय वशान्नाय सोमपृष्ठाय वेधसे । स्तोमैर्विधेमाग्नये" (Rigveda 8.43.11)

یعنی ہم اکھاڑے ہوئے گائے اور بیل کے گوشت کو یگیہ کے لیے (قربانی کے لیے) اگنی کے لیے ہدیہ کرتے ہیں، جو سوما کے ساتھ پکایا گیا ہے اور جس کے اوپر (قربانی کی سومن) ڈالی جاتی ہے۔ (رِگ وید 8.43.11)

یہاں वशान्नाय / उक्षान्नाय سے مراد گائے/بیل کا گوشت ہے جو یگیہ میں ڈال کر پکایا اور کھایا جاتا تھا۔

4 دیوتاؤں کے لئے بھینسوں کی قربانی

"त्री यच्छता महिषाणामघो मास्त्री सरांसि मघवा सोम्यापाः ।
कारं न विश्वे अह्वन्त देवा भरमिन्द्राय यदहिं जघान ||" (Rigveda 5.29.8)

بقیہ ص ۵۰ پر

اداریہ

از: حافظ افتخار احمد قادری*

قربانی اور جدید دور کے تقاضے

اسلام کا نظامِ عبادات چند رسمی افعال وحرکات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر وہمہ جہت اور ہمہ وقت جاری رہنے والا روحانی واخلاقی اور فکری تربیتی نظام ہے جو انسان کو ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے سنوارتا ہے اور اسے اس مقامِ عبدیت تک پہنچاتا ہے جہاں اس کی ہر خواہش وارادہ اور ہر عمل رضائے الٰہی کے تابع ہوجاتا ہے۔

انہی عظیم عبادات میں ایک نہایت جلیل القدر بابرکت اور معنیٰ خیز عبادت "قربانی" ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایثار وفدائیت، تسلیم ورضا اور عشقِ الٰہی کی معراج ہے۔ قربانی کی اصل روح اس واقعہ عظیم سے وابستہ ہے جسے تاریخِ انسانیت کا سب سے درخشاں باب کہا جاسکتا ہے یعنی حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ غیر معمولی امتحان جس میں انہیں اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ ایک خواب یا واقعہ نہ تھا بلکہ اطاعت مطلقہ، عبودیتِ کاملہ اور فنافی اللہ کی عملی تفسیر تھا۔ چنانچہ قرآنِ مجید اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

"فَلَمَّآ أَسۡلَمَا وَتَلَّهُۥ لِلۡجَبِينِ، وَنَٰدَيۡنَٰهُ أَن يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ، قَدۡ صَدَّقۡتَ ٱلرُّءۡيَآ۔" (الصافات:105-103)

یہی وہ مقام ہے جہاں قربانی کی اصل حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ یہ صرف جانور ذبح کرنے کا نام نہیں بلکہ اپنی خواہشات، محبتوں اور اپنی ترجیحات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کردینے کا نام ہے، اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے نہایت بلیغ انداز میں یوں واضح فرمایا:

"لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقۡوَىٰ مِنكُمۡ۔" (سورۃ الحج:37)

تاہم عصر حاضر جو سائنسی ترقی، صنعتی انقلاب، شہری تمدن، ڈیجیٹل انقلاب اور فکری انتشار کا مرکب ہے اس نے عبادات کے عملی مظاہر کو بھی مختلف النوع تغیرات سے دوچار کردیا ہے، قربانی جیسی عظیم عبادت بھی ان تغیرات سے مستثنیٰ نہیں رہی، جدید دور کے تقاضے نہ صرف اس کے عملی پہلوؤں کو متاثر کررہے ہیں بلکہ اس کی فکری تعبیر اور سماجی معنویت کو بھی نئے زاویوں سے دیکھنے پر مجبور کررہے ہیں۔

آج کا انسان ایک ایسے شہری نظام میں زندگی بسر کررہا ہے جہاں بلند وبالا عمارتیں، محدود رہائشی جگہیں، ماحولیاتی قوانین، بلدیاتی ضوابط اور سماجی نظم ونسق کی پابندیاں اس کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ ایسے ماحول میں قربانی کا روایتی طریقہ گلی محلوں میں جانور ذبح کرنا، آلائشوں کو ادھر ادھر پھینک دینا نہ صرف دشوار بلکہ بعض اوقات قانونی طور پر ممنوع بھی ہوجاتا ہے، اس صورتِ حال میں شریعت مطہرہ کی حکمت ووسعت جلوہ گر ہوتی ہے جو ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ اصل مقصود عبادت کا ادا ہونا ہے نہ کہ اس کی مخصوص ظاہری صورت پر اصرار۔

فقہائے اسلام نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر کسی جگہ ذاتی طور پر قربانی کرنا مشکل ہو تو اجتماعی قربانی، مستند مذبح خانوں کا استعمال یا کسی معتبر ادارے کو وکیل بنا کر قربانی کروانا بالکل جائز ہے۔ "الہدایہ" اور "الدر المختار" جیسی مستند کتب میں وکالت کے جواز پر واضح دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سہولت اور آسانی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں" آن لائن قربانی"

* مضمون نگار کریم گنج، پورن پور، ضلع پیلی بھیت، یوپی کے متوطن ہیں۔

یا" وکالتی نظامِ قربانی" نے غیر معمولی فروغ پایا ہے۔

لوگ دنیا کے مختلف خطوں میں موجود مستحقین تک قربانی کا گوشت پہنچانے کے لیے فلاحی اداروں اور دینی تنظیموں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک جدید صورت ہے مگر اصولی اعتبار سے یہ وہی وکالت ہے جس کی اجازت شریعت نے صدیوں پہلے دے دی تھی۔ البتہ اس میں سب سے اہم چیز امانت و دیانت اور شفافیت ہے کیونکہ اگر یہ اوصاف مفقود ہو جائیں تو عبادت ایک رسمی کارروائی بن کر رہ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں جدید دور میں ماحولیاتی آلودگی اور صحتِ عامہ کے مسائل بھی انتہائی اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ قربانی کے ایام میں اگر صفائی کا خیال نہ رکھا جائے تو تعفن، بیماریوں اور آلودگی کا پھیلاؤ ایک سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔ اسلام جو طہارت و نظافت کو نصف ایمان قرار دیتا ہے اس حوالے سے ہمیں نہایت واضح ہدایات دیتا ہے۔ آلائشوں کو مناسب طریقے سے دفن کرنا خون اور فضلہ کو محفوظ انداز میں ٹھکانے لگانا اور اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنا نہ صرف شہری ذمہ داری ہے بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے، اسی طرح جانوروں کے حقوق کے حوالے سے بھی اسلام کا نقطہ نظر نہایت متوازن اور رحمت پر مبنی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جانوروں پر ظلم کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ذبح کے وقت بھی احسان اور نرمی کا حکم دیا۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے:

"إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَ۔ (صحیح مسلم) یعنی جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔"

یہ تعلیم اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام عبادت کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کے آداب و اخلاقیات بھی سکھاتا ہے۔ عصر حاضر میں ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ بعض حلقے قربانی کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور اسے غیر انسانی یا غیر ضروری عمل قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دراصل مغربی افکار سے متاثر ایک سطحی سوچ کا نتیجہ ہے جو عبادات کی روح اور ان کے مقاصد سے ناواقف ہے۔

قربانی درحقیقت ایک ایسا جامع نظام ہے جو انسان کے اندر ایثار و ہمدردی، مساوات اور اطاعت الٰہی کے جذبات کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا بھی ایک ذریعہ بنتا ہے کیونکہ قربانی کا گوشت غربا و مساکین تک پہنچتا ہے۔ مزید برآں جدید دور کی تیز رفتار زندگی نے انسان کو مادیت کا اسیر بنا دیا ہے۔ وہ سہولت آرام اور ذاتی مفاد کے خول میں بند ہو کر رہ گیا ہے۔

ایسے ماحول میں قربانی کی عبادت ایک زبردست روحانی انقلاب کا ذریعہ بن سکتی ہے کیونکہ یہ انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ اصل کامیابی مال و دولت جمع کرنے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے خرچ کرنے میں ہے۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ قربانی صرف ایک انفرادی عبادت نہیں بلکہ ایک اجتماعی شعور اور امت کی وحدت کا مظہر ہے، دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمان ایک ہی وقت میں ایک ہی جذبے کے تحت اس عبادت کو انجام دیتے ہیں جو ان کے درمیان روحانی ہم آہنگی اور اتحاد کا باعث بنتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قربانی ایک زندہ و متحرک اور ہمہ گیر عبادت ہے جو ہر دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کی اصل روح کو برقرار رکھا جائے۔ جدید دور کے مسائل اور چیلنجز ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم اس عبادت کو شعور و حکمت اور اعتدال کے ساتھ ادا کریں نہ کہ محض رسم و رواج کے طور پر۔ اگر ہم قربانی کے حقیقی مفہوم یعنی اخلاص و تقویٰ، ایثار و اطاعت کو اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیں تو یہ عبادت ایک سالانہ عمل نہیں رہے گی بلکہ ہماری پوری زندگی کا شعار بن جائے گی۔

یہی وہ پیغام ہے جو ہمیں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے ملتا ہے اور یہی وہ درس ہے جس کی آج کے انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ الغرض جب قربانی کے یہ بابرکت ایام ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور فضاؤں میں تکبیراتِ ابراہیمی کی صدائیں گونجتی ہیں تو یہ ایک مذہبی تہوار کا منظر نہیں ہوتا بلکہ یہ درحقیقت ایمان و ایقان کی تجدید، بندگی و اطاعت کے عہد

کی یاد دہانی اور اخلاص و وفا کے امتحان کی گھڑی ہوتی ہے۔ مگر نہایت افسوس اور قلبی اذیت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسی مقدس موقع پر کچھ ایسے چہرے بھی سامنے آتے ہیں جو بظاہر دنیاوی اعتبار سے خوشحال، مالدار اور وسعتِ رزق کے حامل ہوتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی پیش کرنے کا وقت آتا ہے تو ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، دلوں میں وسوسے جنم لیتے ہیں اور ذہن بہانوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو سال بھر اپنی خواہشات کی تکمیل پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں، جن کے لیے مہنگے لباس، قیمتی موبائل، پرتکلف دعوتیں اور غیر ضروری آسائشیں کوئی مسئلہ نہیں ہوتیں مگر جب بات اللہ تعالیٰ کے حکم کی آتی ہے تو اچانک ان کے حساب کتاب بدل جاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ حالات سازگار نہیں، کبھی مہنگائی کا رونا روتے ہیں، کبھی کسی فقہی رائے کا سہارا لے کر خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی جدید خیالات کی آڑ میں اس عبادت کی اہمیت کو کم کرنے کی ناکام جسارت کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بہانے نہیں بلکہ نفس کی کمزوری، ایمان کی حرارت میں کمی اور دنیا کی محبت کے غلبے کی واضح علامات ہیں۔

کیا یہ وہی امت نہیں جس کے باپ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی سب سے عزیز متاع کو قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا تھا؟ کیا یہ وہی نسبت نہیں جس پر ہم فخر کرتے ہیں؟ اگر ہم واقعی اس نسبت کے امین ہیں تو پھر ہمارے اندر وہی جذبہ تسلیم و رضا کیوں پیدا نہیں ہوتا؟ کیوں ہماری آنکھوں میں وہی یقین کی چمک نہیں جھلکتی؟ کیوں ہمارے دل اس درجے کے اعتماد سے خالی ہو گئے ہیں کہ ہم اللہ کے ایک حکم پر بھی بلا چون و چرا عمل کرنے سے کتراتے ہیں؟

یاد رکھئے! قربانی سے فرار اختیار کرنا دراصل ایک عظیم سعادت سے خود کو محروم کرنا ہے۔ یہ وہ عبادت ہے جس میں بندہ اپنے مال کے ذریعے اپنے دل کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو تو ہاتھ خود بخود کھل جاتے ہیں اور اگر دل دنیا کی محبت میں جکڑا ہو تو پھر معمولی سی رقم بھی پہاڑ محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ معاملہ صرف ایک جانور کے ذبح کرنے یا نہ کرنے کا نہیں بلکہ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں، ہمارا جھکاؤ کس طرف ہے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کس درجے کا تعلق رکھتے ہیں؟ وہ لوگ جو قربانی سے جی چراتے ہیں انہیں ایک لمحے کے لیے رک کر یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں وہ اس نعمتِ قربانی کی ناقدری کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو دعوت تو نہیں دے رہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آج وہ اپنے مال کو بچانے کے لیے قربانی چھوڑ رہے ہیں اور کل یہی مال ان کے لیے حسرت و ندامت کا سبب بن جائے؟

دنیا کی یہ چند روزہ زندگی اور اس کی عارضی خوشیاں کب تک ساتھ دیں گی؟ آخر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب نہ مال کام آئے گا، نہ بہانے، نہ تاویلات؟ صرف اعمال کا وزن ہوگا اور نیتوں کا حساب ہوگا۔ لہٰذا! ہم اپنے آپ کو ٹٹولیں، اپنے دلوں کا محاسبہ کریں اور اس سوال کا جواب تلاش کریں کہ اگر آج اللہ تعالیٰ ہم سے ہماری سب سے محبوب چیز کا مطالبہ کرے تو کیا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سرِ تسلیم خم کر دیں گے یا پھر کسی نہ کسی حیلے بہانے سے راہِ فرار اختیار کریں گے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سمجھ لیجئے کہ ہمیں اپنے ایمان کی تجدید کی سخت ضرورت ہے۔

آئیے! ہم اس موقع کو ضائع نہ کریں، اپنے اندر کے بخل کو ختم کریں، اپنے دلوں میں یقین و اخلاص کی شمع روشن کریں اور اس عظیم سنت کو پوری محبت، جذبے اور ذمہ داری کے ساتھ ادا کریں۔ اپنے بچوں کو بھی یہ سبق دیں کہ قربانی محض ایک رسم نہیں بلکہ ایک پیغام ہے ایثار و وفا کا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت کا۔ جب ہم اس پیغام کو سمجھ کر اس پر عمل کریں گے تو یقیناً ہماری زندگیوں میں برکتیں بھی آئیں گی اور ہمارے معاشرے میں وہ روحانی فضا بھی قائم ہوگی جس کا خواب ایک سچے مومن کو ہمیشہ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے جو اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرتے بقیہ ص ۱۳ / پر

از: حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی*

حسنِ نیت اور اس کے فوائد و برکات

مولائے رحیم وکریم علیم بذات الصدور ہے، اللہ رب العزت دلوں کی بات ہی نہیں بلکہ وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے اور جاننے کے ساتھ ساتھ حساب بھی لے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْ مَافِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ (سورہ البقرہ، آیت ۲۸۴)

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔" (کنزالایمان)

نیت کہتے ہیں دل کے پکے ارادے کو، جو بھی کام ہم کریں گے اس میں نیت کی اچھائی و برائی دیکھی جائے گی اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نیت کے اعتبار سے ہی سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا، ہمارا کوئی بھی عمل نیت کے بغیر قابل اعتبار نہیں۔ ہمارے سارے اعمال کا دارومدار ہماری نیت ہے۔ خالص اللہ ورسول کی رضا جوئی کی نیت سے کام کرنا ہی فلاح کا ضامن ہے، بخاری شریف کی پہلی حدیث پاک ہمیں اخلاص نیت کی تعلیم دیتی ہے، اللہ رب العزت نے بخاری شریف کو وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ آج بارہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کی بنیادی وجہ حضرت امام بخاری کا اخلاص و نیک نیتی ہے۔ امام بخاری فقہ وحدیث میں مجتہدانہ شان کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک ایک حدیث کو درج کرنے سے پہلے طہارت، نظافت اور پاکیزگی کے انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز و دعا کا اہتمام فرمایا اور سولہ سال کی گراں قدر محنت ومشقت کے بعد امت کو یہ عظیم ذخیرۂ حدیث عطا فرمایا، جس میں حضور سید عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ کو دین اسلام اور اسلام کے ہر ہر جز کو امت کے سامنے پیش کر دیا تا کہ آپ کی مکمل حیات ہمارے سامنے آجائے، چنانچہ بخاری شریف کی پہلی حدیث نیت کے بارے میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.....الخ۔ ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر انسان کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت اللہ و رسول کے لئے ہے تو اللہ ورسول کے لئے ہجرت کا ثواب اسے ملے گا اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہے تو اس کی ہجرت کا اجر وثواب اسے وہی ملے گا جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔"

(صحیح بخاری، باب الایمان، حدیث نمبر ۱)

اگر ہم غور وفکر سے کام لیں تو صرف یہی ایک حدیث ہماری نیتوں کی درستگی اور اعمال کی پاکیزگی کے لئے کافی ہے۔ بڑے واضح اور جامع انداز میں نبی رحمت ﷺ نے ہمارے عمل و کردار کا رخ متعین فرما دیا ہے کہ ہمارے سارے اعمال وافعال نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ جیسی نیت ویسی برکت۔ آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ کے بہت سے نیک اعمال کو انجام دیتا ہے۔ فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اعمال کو اس کے نامۂ اعمال سے نکال دو، کیونکہ اس نے یہ کام میری خوشنودی کے لئے نہیں کیے ہیں اور ہاں، فلاں فلاں اعمال اس کے نامہ اعمال میں درج کر دو۔ فرشتے عرض کریں گے الہ العالمین! اس بندے نے تو یہ کام کیے نہیں ہیں تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان

* مضمون نگار مسجد ہاجرہ رضویہ اسلام نگر، کپالی جمشید پور، جھارکھنڈ کے، خطیب وامام ہیں۔

کاموں کی نیت کی تھی۔ حدیث پاک میں ہے

"نیة المؤمن خیر من عمله ط۔ (المعجم الکبیر، طبرانی جلد ۷، ص ۱۸۵، حدیث نمبر ۵۹۴۲) مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔ عمل و کردار میں دکھاوا، اہلِ دنیا کی خوشنودی شامل ہوسکتی ہے مگر نیت میں ریا (دکھاوا) کا دخل نہ ہوگا۔"

ہمارے کام کو اہل دنیا دیکھ سکتے ہیں مگر ہماری نیت کو مولائے علیم وخبیر دیکھتا ہے۔ لہٰذا ہمارے کام اور ہماری نیت کی جزا و سزا بھی رب تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ حدیث پاک کی روشنی میں ایک دلچسپ وسبق آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یوم قیامت بارگاہِ الٰہی میں ایک بندہ پیش ہوگا جس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ جس میں حج، عمرہ، جہاد، زکوٰۃ، صدقہ لکھا دیکھے گا۔ بندہ دل میں کہے گا کہ میں نے اس میں کچھ بھی نہیں کیا، یہ میرا نامہ اعمال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا یہ تمہارا ہی نامہ اعمال ہے، تم اپنی زندگی میں یہ کہتے تھے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو حج وعمرہ کرتا، صدقہ وخیرات کرتا، جہاد کرتا۔

میں جانتا ہوں کہ تم اپنی اس نیت میں سچے ہو تو میں نے تم کو ان سب چیزوں کا ثواب عطا فرمادیا اور ایک ایسا بندہ بھی پیش کیا جائے گا جس کے ساتھ پہاڑوں جیسی نیکیاں ہوں گی۔ منادی آواز دے گا جس کسی کا اس پر حق ہو وہ بدلے میں اس کی نیکیاں لے لے۔ سن کر سارے لوگ آئیں گے اور اس کی نیکیاں لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ نیکیاں ختم ہوجائیں گی۔ وہ حیران وششدر رہ جائے گا۔

اس وقت رب کریم ارشاد فرمائے گا۔ تیرا ایک خزانہ میرے پاس ہے، جس کی خبر نہ میرے فرشتوں کو نہ کسی مخلوق کو ہے۔ بندہ عرض کرے گا بارِالٰہ وہ کیا ہے؟ رب تعالیٰ فرمائے گا وہ تیری نیک نیتی ہے۔ جسے تو نے دنیا میں کیا تھا، میں نے اسے ستر گنا کرکے لکھ دیا ہے جو تیری نجات کے لئے کافی ہے۔

دیکھا آپ نے مومن کی نیت نے مومن کو کیسے بچایا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مومن کے عمل سے بہتر مومن کی نیت ہے، اعمال صالحہ رکھتے ہوئے بھی حقوق العباد کی عدم ادائیگی کی وجہ سے سارے اعمال تقسیم کردیئے گئے۔ اگر بچایا تو نیت خالص نے بچایا۔ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ ط مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔ پہلے واقعے میں تو عمل کا کوٹہ بھی نہیں ہے۔ نہ حج وعمرہ نہ جہاد وزکوٰۃ مگر صرف نیت کی برکت نے سارے اعمال دفتر میں درج کرادیئے۔

چار قسم کے لوگ

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ مال رکھتا ہے اور علم کے مطابق مال کو خرچ کرتا ہے۔ دوسرا نیت تمنا رکھتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں خرچ کرتا۔ تو ان دونوں کا ثواب برابر ہے، تیسرا وہ کہ مال کو بے جا وناروا خرچ کرتا ہے اور چوتھا وہ یہ کہے وآرزو رکھے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا تو ان دونوں کا گناہ یکساں و برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

کیمیائے سعادت میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ درج فرمایا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کا ایک آدمی ریت کے ڈھیر کے قریب سے گزرا۔ قحط کا زمانہ تھا اس نے کہا کہ اگر اس ٹیلے (ڈھیر) کے برابر میرے پاس گیہوں ہوتے تو میں فقیروں اور مساکین میں بانٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور حکمِ الٰہی ہوا۔ اے میرے نبی! اس شخص سے کہہ دو وہ صدقہ خدائے پاک نے قبول کرلیا ہے اور جس ڈھیر کے برابر گیہوں ہوتے اتنا ثواب تجھے عطا کیا گیا ہے۔ اور اگر تو نے صدقہ دینے کا عمل کیا ہوتا تو اتنا ہی ثواب تجھے ملتا۔

غزوہ تبوک میں عدم شرکت ثواب شرکت کا

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ غزوہ تبوک کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ مدینے میں بہت سے لوگ رہ گئے ہیں مگر وہ ہمارے رنج و دکھ جو بھوک سفر سے ہم اٹھا رہے ہیں اس میں وہ شریک

ہیں۔ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ وہ ہم سے دور ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ عذر کی وجہ سے ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکے ہیں لیکن ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنْ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ ایمان کو مضبوط اور نیت کو اچھی بنانے کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

اس بات کے بیان میں کہ عمل بغیر نیت اور خلوص کے صحیح نہیں ہوتے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: عمل نیت سے ہی صحیح ہوتے ہیں (یا نیت ہی کے مطابق ان کا بدلہ ملتا ہے) اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے گا۔ پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ہجرت کرے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اور جو کوئی دنیا کمانے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کے لئے ہوگی۔

(بخاری کتاب الایمان کے بیان میں حدیث نمبر ۵۴)

نیکی کمانے کا آسان نسخہ! نیت اچھی رکھیں

صالحین کرام وعلما فرماتے ہیں کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو اس کے بعد عمل کرو۔ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا پھرتا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اسی میں مصروف عمل رہوں اور کبھی نیکی وثواب سے محروم نہ رہوں تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرو اور اسی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں مصروف رہو رات ودن نیکی وثواب کی دولت ملتی رہے گی، حضرت سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو چند روز کی محنت سے جنت نہیں ملے گی بلکہ اچھی نیت سے جنت حاصل ہوگی جس کی کوئی حدوانتہا نہیں ہے۔ مخدوم جہاں شیخ احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے بھائی شمس الدین! لکھنے والے کی طرف سے سلام ودعا کے بعد مطالعہ کرو کہ ہر شخص کو اس کی نیت کے ترازو میں تولا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے جان لو کہ نیت کا سرچشمہ اخلاص کے دریا سے ہے اور اسی سرزمین (اخلاص) میں اس کی پیدائش ہے، اسی لئے اس حدیث کی جبروتیت ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَعْمَالِكُمْ وَ لٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ۔ (رواۃ مسلم) ترجمہ: اللہ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا مگر تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے اور اس حدیث کی ہیبت و سیاست نے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وَيُحْشَرُ والنَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ۔ ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔

صدیقوں کے خون کو پانی کر دیا ہے، ہم کو تم کو خبر نہیں، کل قیامت کے دن جہان والے اس قدر چیخ ماریں گے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی۔ فرادت کند خمار کا شب مستی۔ (یعنی آج رات میں تو شراب کی مستی ہے، کل خمار ٹوٹے گا تو معلوم ہو جائے گا) جب سامنے سے پردہ ہٹ جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا کسی نے کیا رکھا ہے۔ شرک یا توحید، کفر یا اسلام جب یہ بات مسلم ہوگئی کہ افعال واعمال کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نیت علم نہایت پاکیزہ و پرلطف ہے تو بقدر وسعت ہوشیار اور بیدار رہنا چاہئے اور تصحیح نیت میں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ بات حاصل ہو جائے گی۔''

(مکتوبات صدی، مکتوب نمبر ۱۳، بیان نیت، جلد ۲، صفحہ ۲۳۰-۲۳۱)

کلام الٰہی قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں نیت کا بیان صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس مقالہ میں سب لکھنا ممکن نہیں۔ بزرگانِ دین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں اور پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اقوالِ بزرگانِ دین

حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے کہا اے بیٹے! علم حاصل نہ کر جب تک تو اس پر عمل کرنے کی نیت نہ کرلے ورنہ قیامت کے دن وہ علم تیرے لئے وبال ہوگا۔

حضرت ابوعبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یومِ قیامت اللہ تعالیٰ ریاکار کو کہے گا کہ جا اپنے عمل کا ثواب ان لوگوں سے لے جن کو تو دکھانے کے لئے عمل کرتا تھا۔

حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر نیک نیت کیا کرو کیونکہ ریا نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

حضرت سیدنا داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم جب کوئی کتاب لکھے تو اسے مناسب ہے اس سے نصرت دین کا قصد کرے نہ کہ حسن تالیف کے سبب اپنے ہم عصروں میں تعریف کا طالب ہو۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیت کے معاملے میں دل پر اس لئے نظر فرماتا ہے کیونکہ دل ہی نیت کا مقام ہے اس لئے سید عالم ﷺ نے کاموں کا ثواب اور عمل کا دارومدار نیت سے ہے فرمایا۔ ہر شخص کو عمل وعبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی۔

(کیمیائے سعادت، کشف القلوب، جلد ۴، صفحہ ۱۴)

اب اگر کسی کام میں ہماری نیت اہلِ دنیا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو پھر اسے ریاکاری میں شمار کیا جائے گا۔ بندوں کو اگرچہ اس قبیح نیت کی خبر نہیں مگر جو علیم بذات الصدور ہے (اللہ دلوں کی بات جانتا ہے) وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۔ (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۵) ترجمہ: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔"

توریت شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس عمل کو میں منظور کرلوں وہ اگر تھوڑا ہو بہت ہے اور جسے میں رد کردوں وہ اگرچہ کثیر ہو مگر وہ بہت ہی کم یعنی اس کی کوئی قدروقیمت نہیں۔

(تنبیہ المفترین، کشف القلوب، جلد ۴، صفحہ ۲۰)

"وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۔ ترجمہ: اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔" (القرآن سورہ بقرہ، آیت ۲۸۳)

اللہ سے دعا ہے کہ عبادت ومعاملات میں ہمیں نیک نیتی کی دولت سے نوازے، آمین، ثم آمین۔

ٌٌٌ

ص ۹ / کا بقیہ ....

ہیں، جو اپنی خواہشات کو اس کی رضا پر قربان کردیتے ہیں اور جو قربانی کی حقیقی روح کو سمجھ کر اپنی پوری زندگی کو اس کے تابع بنا لیتے ہیں۔ یہی اصل کامیابی ہے یہی حقیقی فلاح ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو ہمیں دنیا وآخرت کی سرخروئی عطا کرتا ہے۔

ٌٌٌ

ص ۱۴ / کا بقیہ ....

جائے اور واضح کیا جائے کہ بیٹی کا حقِ وراثت اپنی جگہ مستقل، واجب اور ناقابلِ تنسیخ ہے جسے کسی جہیز یا رسم کے بہانے ساقط نہیں کیا جاسکتا۔

حاصل کلام اربابِ علم ودانش، ائمہ وخطبا اور اہلِ فکر ونظر سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اس مسئلے کو حکمت، توازن اور بصیرت کے ساتھ پیش کریں؛ یوں کہ جہیز کے نام پر ہونے والی ہر قسم کی زیادتی، جبر اور رسمِ بد کا مکمل استیصال ہو، مگر وہ جائز صورت جو محض محبت اور تعاون پر مبنی ہو باقی رہے۔ ساتھ ہی معاشرے کو اس جانب بھی متوجہ کیا جائے کہ بیٹیوں کو ان کے حقِ وراثت دلانا ایک شرعی فریضہ ہے۔

اسی اعتدال میں شریعت کی روح ہے، اسی میں سنت مصطفوی کی پیروی ہے اور اسی میں ایک پاکیزہ، باوقار اور متوازن اسلامی معاشرے کی تشکیل کا راز مضمر ہے، دو جہاں میں کام آئے جو، ایسا کوئی کام کیجیے۔

ٌٌٌ

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنے تأثرات ضرور لکھیں، آپ کے تأثرات ماہنامہ سنی دنیا کے صفحات کی زینت بنیں گے، اگر آپ کاروباری ہیں تو رسالہ میں اپنے اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

* مضمون نگار جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور کے استاذ ہیں۔

از: مولانا شمس تبریز حناؔ کی مرکزی*

جہیز کا مطلقاً بائیکاٹ

شرع کی روشنی میں ایک متوازن جائزہ

جہیز کم تھا، بہو آگ میں اتاری ہے
ہمارے گاؤں میں اب تک یہ رسم جاری ہے

آپ کو یہ سن کر شدید تعجب اور قلبی اذیت محسوس ہوگی کہ وہ ناسور، جو مدتوں سے دیگر باطل معاشرتوں میں پلتا رہا، اب رفتہ رفتہ بعض نادان اور سطحی فہم افراد کے باعث ملتِ اسلامیہ کے دامن میں بھی سرایت کرتا جا رہا ہے اور وہ مہلک وبا "جہیز" کی ہے۔ حالاں کہ تاجدارِ مدینہ، سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی نہایت واضح اور فیصلہ کن ہے:

"لعن رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الراشی و المرتشی۔ یعنی رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کے مستحق ہیں۔"

یہاں لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ لوگ، جو جہیز کے نام پر مطالبات کرتے ہیں اور اسے اپنا حق گردانتے ہیں، کس قدر جسارت کے ساتھ اپنے آپ کو اس وعید شدید کا مستحق بنا رہے ہیں! اور افسوس اُن سادہ لوح افراد پر بھی، جو اس ناروا مطالبے کے سامنے سرِتسلیم خم کر کے اس باطل رسم کو مزید استحکام بخشتے ہیں، کیا ان کے دل اس وقت نہیں دہلتے جب چند مادی اشیا کی کمی کے باعث وہ ایک معصوم بیٹی کی عزت، والدین کی آبرو اور ایک مقدس رشتے کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے بارات واپس لے جاتے ہیں؟ یہ وہ سنگ دل ہیں جن کا پیٹ نہ دنیا میں بھرا ہے اور نہ بھرے گا؛ البتہ جہنم کی دہکتی آگ ہی ان کے حرص کا حقیقی انجام ہوگی۔

باپ بوجھ ڈھوتا تھا، کیا جہیز دے پاتا اس لیے وہ شہزادی آج تک کنواری ہے خوش آئند امر یہ ہے کہ علمائے کرام کا ایک مخلص طبقہ اس ناسور کے استیصال کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ تاہم اس ضمن میں ایک نہایت اہم سوال بھی درپیش ہے: کیا جہیز کا کلی و مطلق بائیکاٹ شرعاً درست ہے؟ سنت مصطفوی کی روشنی میں غور کیا جائے تو حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ "جہیز" بطور مطالبہ، جبر اور شرط یقیناً حرام، ظلم اور معاشرتی فساد ہے؛ لیکن اگر لڑکی کا ولی اپنی خوشی، استطاعت اور محبت کے اظہار کے طور پر کچھ سامان بطورِ ہدیہ دے، تو یہ جائز بلکہ سنت نبوی کی ایک سادہ و پاکیزہ جھلک ہے۔ یہ دراصل ایک تعاون ہے، نہ کہ کوئی لازم حق یا بوجھ ہے، جیسا کہ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ ذکر کرتے ہیں:

"شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہزادی اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا اس کی فہرست یہ ہے: ایک کملی، بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔" (سیرت مصطفیٰ)

یہ مثال واضح کرتی ہے کہ اصل روح سہولت، سادگی اور تعاون ہے، نہ کہ نمائش، تکلف اور جبر ہے۔ ایک اہم اور قابلِ توجہ پہلو مروجہ جہیز کی قباحتوں میں ایک نہایت سنگین پہلو یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جہیز دے کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے بیٹی کو اس کے حقِ وراثت سے نواز دیا ہے؛ چنانچہ بعد ازاں اسے میراثِ شرعی سے محروم کر دیتے ہیں۔

یہ طرزِ فکر نہ صرف صریح ناانصافی ہے بلکہ احکامِ شریعت میں کھلی تحریف کے مترادف ہے۔ وراثت کے حقوق اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں، جن میں کسی رسم یا عرف کے نام پر تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جہیز، جو محض ایک ہدیہ ہے، اسے حقِ میراث کا بدل سمجھنا شرعاً باطل، عقلاً فاسد اور اخلاقاً ظلمِ عظیم ہے، لٰہذا ضروری ہے کہ اس گمراہ کن تصور کا قلع قمع کیا

بقیہ ص ۱۳/ پر

*مضمون نگار خانقاہ ظہوریہ چشتیہ قادریہ بلگرام شریف سے مربوط ہیں۔

(از: پیر محمد اجمل رضا قادری رضوی*)

کوئی حد ہے ان کے عروج کی

جیسے جیسے حالات آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، مختلف افکار کے لوگ اور مختلف سوچوں کے لوگ معاشرے کے اندر طرح طرح کی باتیں اور طرح طرح کی فکریں عام کر رہے ہیں۔ انسان کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ شر کو جلدی قبول کرتا ہے۔ گناہ کی طرف، بدگمانی کی طرف انسان کا نفس جلدی مائل ہوتا ہے۔ جو لوگ صدیوں سے محنت کر رہے ہیں اور دینِ اسلام کی خوبصورت پروقار اور محبت سے لبریز تشریحات امت تک پہنچا رہے ہیں، انہوں نے اولین جدوجہد اس بات پر کی ہے کہ کسی بھی طریقے سے اس امت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جوڑا جائے۔ جب امت اللہ رسول ﷺ کے ساتھ جڑ جائے گی تو پھر اللہ رسول ﷺ کے احکامات ماننا، رب رسول ﷺ کے دئے ہوئے دین پر عمل کرنا، اپنے سارے اخلاقی رویوں کو درست کرنا، یہ آسان ہو جائے گا۔

یہ جتنی محافل منعقد کی جاتی ہیں، جتنے اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں، جتنی خانقاہی مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے، ان کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ وہ میلاد شریف کے موقع پہ محفل ہو، معراج شریف کے موقع پہ محفل ہو، وہ کسی اور عنوان سے محفل ہو۔ جب کسی بھی اجتماع کو محفل کا نام دیا جاتا ہے تو مقصود ہوتا ہے کہ اس میں نبی پاک علیہ السلام کے فضائل بیان کئے جائیں، حضور ﷺ کی نعت بیان کی جائے، نبی پاک ﷺ کے خصائل بیان کئے جائیں تاکہ امت کے نوجوانوں کے دلوں میں رسولِ پاک ﷺ کی محبت بڑھ جائے، حضور ﷺ کا پیار بڑھ جائے۔ جیسے جیسے حضور ﷺ کی محبت امت کے دلوں میں بڑھتی جاتی ہے، حضور ﷺ کی غلامی کا اور فرمانبرداری کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔

الحمدللہ! ان محافل نے، ان اجتماعات نے ایک زبردست انقلاب برپا کیا ہے اور زمانے سے لوگ دیکھ رہے ہیں کہ حضور ﷺ کی نعت پاک کا کوئی شعر آتا ہے یا نبی کریم علیہ السلام کا نام نامی اسمِ گرامی آتا ہے تو مومن کے وجود میں ہلچل پیدا ہوتی ہے، تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کو لوگ اپنا اپنا عنوان دیتے ہیں، کوئی کہتا ہے میرا ایمان تازہ ہو گیا ہے، کوئی کہتا ہے میرے وجود پر وجد طاری ہو گیا ہے، کوئی کہتا ہے کہ میری وہ ساری محبت درد بن کر آنسوؤں کے ذریعے چھلک پڑی ہے لیکن ان محافل سے بہر حال یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے کہ لوگوں کے دل گنبدِ خضریٰ کے قریب چلے گئے۔

دوسری بات! ہمیشہ یاد رکھئے گا کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ کوئی بھی چیز جب اس کی مخالف چیز کا ذکر کیا جاتا ہے پھر اس کی پہچان ہوتی ہے۔ اگر رات نہ ہو تو دن کی کوئی پہچان نہیں ہے، اگر صبح نہ ہو تو شام کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ اگر اجالا نہ ہو تو اندھیرے کا کوئی نام لینے کو بھی تیار نہیں ہے، چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

عرب کہتے ہیں کہ کوئی بھی چیز اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جس طرح نبی پاک علیہ السلام کے فضائل کا، حضور ﷺ کی نعت کا، نبی پاک ﷺ کی عظمتوں کا بیان ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے، اس طرح سے بعض ایسے نادان بھی تھے جو ہمیشہ بعض چیزوں کو سمیٹتے رہے ہیں، بعض چیزوں کو وہ گھیرتے رہے ہیں اور وہ توڑ مروڑ کے چیزوں کو اس طرح پیش کرتے رہے ہیں کہ بالکل ایک نیا رستہ، ہٹ کے رستہ! ایک گروہ گزرا ہے امت میں، جس کو نیچری کہا جاتا ہے، یہ باقاعدہ ایک فرقہ تھا اور اس فرقے کے بڑے شخص کا اگر میں نام بتاؤں تو آپ سارے واقف ہیں، ان کے بڑے شخص کا نام تھا، سرسید احمد خان، یہ نیچری تھے۔

یہ کہتے تھے کہ اگر معراج شریف کی ساری احادیث صحیح بھی ہوں۔ انہوں نے وہ ساری احادیث لکھیں، ساری صحیح احادیث کو کوٹ کیا، ساری صحیح احادیث کوٹ کر کے کہا کہ یہ صحیح بھی ہیں، راوی بھی درست ہیں، تیس کے قریب صحابہ ان روایات کو روایت کرنے والے ہیں تو پھر بھی کہنے لگے کہ ہم اس لئے واقعہ معراج کو معاذ اللہ! تسلیم نہیں کرتے کہ ایک شخص کا، ایک انسانی وجود کا فضا میں معلق رہنا ممکن نہیں اور فضا سے گزر کر جانا ممکن نہیں، کہنے لگے اگر ساری روایتیں درست بھی مان لی جائیں تو پھر بھی چونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے، یہ روٹین میں جو کام ہوتے ہیں ان کے خلاف ہے، تو ہم یہ کہیں گے معاذ اللہ! راویوں کو غلطی لگ گئی ہے بات کرنے میں۔ یعنی ساری روایتیں لکھ کے بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

اچھا! بڑے عجیب لوگ ہیں، یہ سمجھتے ہی نہیں، معجزہ پتہ ہے کسے کہتے ہیں؟ معجزہ اور کرامت کہتے ہیں خرقِ عادت کو۔ خرق عادت کا مطلب ہوتا ہے عادت کو پھاڑ دینا۔ جو کام عادت کے مطابق چل رہا ہو وہ کرامت اور معجزہ نہیں ہوتا۔ جو عادت سے ذرا ہٹ کے ہو، اس کو معجزہ اور کرامت کہا جاتا ہے۔ جو روٹین میں چل رہا ہو، وہ تو چل ہی رہا ہے روٹین میں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب رب چاہتا ہے تو نبی کے ہاتھ پہ معجزہ ہوتا ہے، ولی کے ہاتھ پہ کرامت ہوتی ہے۔

آپ کہیں جناب! فلانہ کام فطرتاً ہو رہا تھا، اصول کے ساتھ ہو رہا تھا تو بالکل آپ کی بات ٹھیک ہے۔ فطرت یہی ہے کہ ماں اور باپ کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے لیکن اگر رب چاہے تو جنابِ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیتا ہے۔ فطرت یہی ہے کہ بچے عمر کا کچھ حصہ طے کرنے کے بعد تین چار سال کی عمر میں جا کر گفتگو شروع کرتے ہیں لیکن اگر اللہ چاہے تو قرآن کہتا ہے کہ جنابِ عیسیٰ پنگھوڑے میں کہتے ہیں:

"اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِیَ الْکِتَابَ۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور کتاب لے کر آیا ہوں۔"

یعنی وہ پنگھوڑے میں بھی گفتگو کر دیتے ہیں اگر اللہ چاہے، اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے، کتاب وسنت اس سے الحمد للہ! معمور ہے، بھرپور ہے۔

آپ کبھی غور فرماتے جائیں، دیکھتے جائیں، فطرت تو یہی ہے! کہ مادرزاد اندھا، کوڑھا، برص کے مریض! یہ سارے کسی طبیب کے پاس جائیں ڈاکٹر کے پاس جائیں اور آج کل کی ہماری زبان کے اندر اگر کوئی شخص مریض ہے تو پہلے وہ ٹیسٹ کرائے پھر اس کے بعد ڈاکٹر کا تجویز کردہ نسخہ استعمال کرے، آپریٹ کی ضرورت ہے تو آپریشن کرائے، پھر ٹھیک ہوگا۔ لیکن اگر چاہے رب اور دے اپنے نبی کو معجزہ تو پھر قرآن کہتا ہے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام اگر مادرزاد اندھوں کو اور کوڑھوں کو ہاتھ پھیر دیں تو اللہ شفا عطا فرما دے اور یہ تیسرے پارے میں آپ کو میسر آئے گا، ملے گا۔

اصولِ فطرت یہی ہے، مزاج یہی ہے، روٹین یہی ہے کہ رب چاہتا ہے تو پھر ہی انسان پیدا ہوتے ہیں، اللہ چاہتا ہے تو پھر ہی حیوان پیدا ہوتے ہیں، رب چاہتا ہے تو چرندے پرندے پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر اللہ چاہے اور اپنے نبی کو معجزہ دے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی کی مورت بنا کے پھونک دے تو اللہ تعالیٰ اس کو زندگی عطا فرما دیتا ہے اور یہ قرآن مجید ہے۔

اب وہ لوگ جو ضد کر بیٹھتے ہیں معجزے کے مقابلے میں کہ میری عقل نہیں مانتی تو بھئی! ان سے ہماری گزارش یہ ہے بہت سارے لوگوں کی عقل تو خدا کو بھی نہیں مانتی معاذ اللہ! تو کیا پھر ان کی عقل کے مطابق دین کو لیا جائے گا؟ پھر یہ کیا کہہ دیا جائے گا؟ کہ چونکہ تیری عقل میں نہیں آتا تو لہٰذا ہے ہی نہیں معاذ اللہ!

تو معجزہ جو ہوتا ہے، وہ اللہ کی عطا سے نبی کا کمال ہوتا ہے! آپ دیکھیں! صحابہ کیا فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی، یہ صحیح حدیث میں موجود ہے، اب اگر پنڈلی ٹوٹ گئی ہے، ٹانگ ٹوٹ گئی ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہمارے یہاں جو آج مروج ہے وہ یہی ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر طبیب کو دکھایا جائے گا، اس کا علاج ہوگا اور آج کل تو آپریشن

کئے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی جو طریقہ تھا، وہ اختیار کیا جائے گا اور اس کے مطابق علاج ہوگا۔ لیکن حضرت عبد اللہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی، وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے۔ ٹوٹی ہوئی پنڈلی! آپ چلے جائیں کسی بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس، مجھے بتائیں کہ وہ کبھی صرف خالی ہاتھ لگائے اور چیز کو شفا ہو جائے لیکن یہاں منظر یہ ہے کہ پنڈلی ٹوٹ گئی ہے، محبوب ﷺ نے لعاب دہن لگایا ہے، اللہ نے شفاء عطا فرمادی۔

آپ اس مزاج کو سمجھیں! یہ دین کا باقاعدہ عنوان ہے۔ اب آنکھیں کسی شخص کی دکھتی ہیں تو اب تو خیر اللہ تعالیٰ نے آسانی کردی ورنہ یہ دس پندرہ سال پہلے کالا موتیا، سفید موتیا ایک بہت بڑا مرض ہوتا تھا اور باقاعدہ مشکل تھا لوگوں کے لئے علاج کی طرف بڑھنا اور آنکھوں کی بینائی آج بھی آپ دیکھ لیں پیدائشی طور پر بچے بیچارے بعض آنکھوں کی نظر کی کمزوری کا شکار ہیں۔ اتنی اتنی موٹے شیشوں کی عینکیں ان کو لگی ہوئی ہیں اور بڑی مشکل سے وہ دیکھ پاتے ہیں لیکن فتح خیبر کے موقع پہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کو آشوب چشم ہے اور جب حضور ﷺ نے فرمایا، علی کو بلائیں! تو کہا، یا رسول اللہ ﷺ! آنکھیں دکھتی ہیں رو فرمایا، بلاؤ تو صحیح! تو بلایا ہے تو مولائے کائنات فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے لعاب دہن لگایا ہے اتنا اچھا تو پہلے نظر نہیں آتا تھا جتنا اب نظر آنا شروع ہو گیا ہے۔

یہ کیا ہے؟ یہ نبی پاک ﷺ کا معجزہ ہے، آپ کو سمجھ آرہی ہے مسئلے کی؟ سب سے پہلے میں نے یہ عرض کیا کہ ان محافل کا فائدہ یہ ہے کہ امت کو حضور ﷺ کے قریب کیا جائے، دوسری بات یہ کہ ایک ہے فطرت سے کام چلنا اور ایک ہے نبی کا معجزہ ہونا یعنی صحابی نے حضور ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! جنگ کے موقع پر میری تلوار ٹوٹ گئی تو نبی پاک ﷺ نے چھڑی اتار کے ایک ٹہنی توڑ کے ایک درخت سے دی تو وہ صحابی فرماتے ہیں جب محبوب ﷺ نے توڑی تو وہ ٹہنی تھی، میری طرف آرہی تھی ٹہنی تھی اور جیسے ہی محبوب ﷺ نے مجھے تھمادی اسے اللہ نے تلوار بنادیا۔ یہ کیا ہے؟ یہ نبی ﷺ کا معجزہ ہے۔

ایک تیسری بات سنیں! اسلام کا نظام دو طریقوں سے چلتا ہے، ایک اسلام کا نظام چلتا ہے اسباب کے ساتھ۔ آگ جلاتی ہے، دریا ڈبوتا ہے، انسان پر تلواریں اور زخم لگ جائیں تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اسباب کا رستہ ہے کہ آگ نے جلانا ہے اور ایک ہے روحانی رستہ۔ آگ جلاتی تو ہے لیکن اگر مدد اللہ کی شامل ہو تو پھر حضرت ابراہیم کو نہیں جلاتی۔

"یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ۔"

پھر وہ جناب ابراہیم کو جلاتی نہیں! اصول تو یہی ہے کہ دریا میں جو جائے تیرنا نہ آتا ہو تو ڈوب جاتا ہے لیکن اگر اللہ چاہے، حضرت موسیٰ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دے تو اللہ کہتا ہے میں نے دریا پھاڑ کے موسیٰ کے لئے رستہ بنادیا۔ جس دریا سے حضرت موسیٰ بچ کے نکل گئے، اسی دریا میں فرعون اور فرعون والے غرق ہو گئے۔ یہ کیا ہے؟ یہ روحانی زندگی۔ ایک ہے اسباب کہ آپ پانی میں گھوڑا پھینکیں گے آپ ڈوب جائیں گے، یہ میں قرآن مجید پڑھ رہا ہوں میں نے کوئی حدیث بھی نہیں سنائی، بزرگ کا قول تو دور رہا۔

قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے فرعون اور فرعون والوں کو اسی دریا میں غرق کیا جس دریا میں ہم نے حضرت موسیٰ کے لئے رستے بنادئے تھے اور دریا پھاڑ کے رستے بنادئے تھے۔ تو رب کریم نے ایک روحانی زندگی بھی مومن کی رکھی ہے۔ ذرا غور کیجیے گا، بھلا! میں کیا کہنے لگا ہوں! صرف پچاس سیکنڈ کے لئے آپ نے سوچنا ہے۔ زندگی میں ہمیں بہت ساری ایسی چیزیں ملی ہیں جو ہماری محنت کا نتیجہ نہیں، ہمیں بہت سارا ایسا کچھ ملا ہے جس کے ہم قابل تھے نہیں پر رب نے عطا کردیا ہے! بس سمجھ لو آپ!

یہ جو آپ کو ملا ہے، تھے نہیں قابل پر ملا ہے۔ کچھ تو محنت کی ہے کوشش کی ہے تو اس کے سبب سے ہو گیا، جو بغیر محنت کے جدوجہد کے ملا ہے، یہ وہ روحانی رستہ ہے جس کے بارے میں اللہ کا قرآن کہتا ہے

"وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا۔ (سورۃ الطلاق، آیت نمبر ۲)

جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ ہر مشکل سے نکلنے کے لئے اسے

اسلامیات

رستہ عطا کر دے گا۔"

"وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (سورۃ الطلاق، آیت نمبر ۳) اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔"

ایک روحانی زندگی ہے انسان کی، وہ میرے ساتھ بھی ہے آپ کے ساتھ بھی، کئی چیزیں ہمارے پاس ایسی ہیں کہ اگر ہماری قابلیت دیکھی جائے تو وہ ہمارے پاس ہو سکتی نہیں!

ث ثبوت نہ منگو میتھوں نظر کرم کدہوئی
مَیں جاناں او دلبر جانے غیر نہ جانے کوئی

کچھ چیزیں ایسی ہیں جو خالص! مختصر سی میری کہانی ہے جو بھی ہے ان کی مہربانی ہے، وہ ہماری محنت کا نتیجہ نہیں، یہ روحانی زندگی ہے، روحانی زندگی کو سمجھو، ایک روحانی نظام ہے اللہ کا، اس نے بنایا ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں، جنگ بدر کا موقع تھا، اللہ کے فرشتے آئے ہوئے تھے، قرآن کہتا ہے فرشتے آئے ہوئے تھے، حال یہ تھا کہ صحابہ فرماتے ہیں ہم کسی کی گردن کافر کی کاٹنے لگتے تھے، اس کی گردن ہم سے پہلے کٹ کے گر جاتی تھی۔ یہ کیا ہے؟ یہ اللہ کا روحانی نظام ہے، اس نے بنایا ہے۔ آپ کے اور میرے ساتھ یہ نظام وابستہ ہے۔

اب چوتھی بات سمجھیں! جو جتنا بڑا ہوتا ہے اور جس کو لوگوں نے ماننا ہوتا ہے، جس کے پیچھے چلنا ہوتا ہے، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کمال ہو تو پھر ہی لوگ اس کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں، اگر اس کے اندر کوئی کمال نہ ہو، تین چیزیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں۔ یا بندے میں جود و نوال ہو، سخی ہو، خرچ کرتا ہو، احسان کرتا ہو یا پھر اس میں حسن و جمال ہو، سوہنا بڑا ہو پیارا بڑا ہو یا تیسری بات یہ ہے کہ فضل اور کمال ہو، اس میں کوئی بلندی ہو۔

اللہ کی یہ شان رہی ہے کہ اللہ نے جتنے بھی پیغمبر پیدا فرمائے، اعلیٰ خاندانوں میں پیدا فرمائے۔ اللہ نے جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے، سارے سوہنے تھے، ایک سے ایک بڑھ کر حسین تھے، حضرت داؤد علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھا نہیں جاتا تھا، خوبصورت تھے اور جنابِ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ملا رومی نے لکھا ہے۔

جب قحط پڑ گیا تھا مصر میں تو حضرت یوسف نے چونکہ گندم، غلہ سٹاک کر لیا تھا تو ابتدائی طور پر آپ نے یہ تجویز دی تھی اور یہ حکمت عملی اپنائی تھی، آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ فی الحال تمہیں گندم نہیں ملے گی، جس کو بھوک لگے، وہ میرا چہرہ دیکھ لے آ کے، جس کو پیاس لگے وہ میرا چہرہ دیکھ لے اور یہ ایسا ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چالیس دن قید رکھا ہے، لوگوں نے تو آپ سے کہا کہ جناب! بھوک پیاس کا کیا کرتے تھے؟ فرمایا، بھوک پیاس لگتی تھی، قرآن پاک کی زیارت کرتا تھا، بھوک بھی ختم ہو جاتی تھی پیاس بھی ختم ہو جاتی تھی، تو حضرت جناب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تدبیر اپنی قوم کو دی کہ جب تمہیں بھوک لگے تو تم نے آ کے مجھے دیکھنا ہے تو تین مہینے غلہ نہیں دیا۔ لوگ آتے جنابِ یوسف کا چہرہ دیکھتے، بھوک پیاس ختم ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال عطا کیا تھا پھر نبیوں کے پاس فضل اور کمال ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو کمالات سنائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، مادر زاد اندھے، کوڑھے، برص کے مریض آتے، آپ ہاتھ پھیرتے، شفا ہو جاتی۔ آپ مٹی کی مورت بنا کے پھونکتے، اللہ تعالیٰ اس میں جان پیدا کر دیتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کو ہاتھ لگاتے اللہ نرم کر دیتا۔

حضرت آدم علیہ السلام ایک ہزار پیشہ جانتے تھے، ایک ہزار بولیاں بولتے تھے، اللہ نے کمال عطا فرمایا تھا۔ ہر پیغمبر کو اللہ نے شان دی، عظمت دی، جنابِ ابراہیم کے کمالات کا کوئی انکار کر سکتا ہے؟ ان کی شان جن کو بار بار قرآن مجید ان کے تذکرے کرے اور رب کہے

"و اتخذ اللہ إبراھیم خلیلا۔"

ان کی شانیں، ان کی عظمتیں کیا بات ہے! بس میرے بھائی سمجھ لو! جب کسی کا فضل، کمال لوگ دیکھتے ہیں تو پھر پیروی کرتے ہیں، بلا مثال و بلا تشبیہ! اللہ نے نبیوں کو فضل و کمال،

حسن وجمال، جودونوال دے کے بھیجا تا کہ لوگ ان کا کمال دیکھیں، ان کی غلامی کریں۔تو جب میرے اور آپ کے محبوب ﷺ کی باری آئی تو اللہ نے سب سے بڑھ کر محبوب ﷺ کو حسن وجمال عطا فرمایا، سب سے بڑھ کر جودونوال عطا فرمایا، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن کہاں اور محبوب ﷺ کا حسن کہاں! کیا خوب صورت انداز اختیار کیا، کہنے لگے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

وہاں بیبیوں نے ہاتھ کاٹے تھے یہاں عرب کے مرد! اور انہوں نے حسن دیکھ کے کاٹے تھے یہاں نام سن کے لوگ ع

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے تو دیدار کا عالم کیا ہوگا

بھائی! نبی پاک ﷺ کا جو جودونوال ہے عطا کردہ ہے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں، ہر شے حضور ﷺ سے سنی ہے "میرے پاس نہیں ہے" یہ حضور ﷺ سے سنا ہی نہیں، پھر جہاں تک حضور ﷺ کے فضل وکمال کی بات ہے تو ہر نبی کو اللہ نے معجزہ دیا اور نبی پاک ﷺ کو اللہ نے بنایا ہی معجزہ ہے۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔"

(سورۂ نساء، آیت 174)

حضور ﷺ کا ایک ایک بال معجزہ ہے، آنکھ معجزہ ہے، کان معجزہ ہے، لبہائے مبارک معجزہ ہے، لعابِ دہن معجزہ ہے، نبی پاک علیہ السلام کی زلفِ عنبریں معجزہ، محبوب ﷺ کی نظر مازاغ معجزہ، دستِ یداللہ معجزہ، چہرہ وجہ اللہ معجزہ! نبی پاک ﷺ کا سج دھج کے آنا اور میلاد ہونا یہ بھی معجزہ اور سج دھج کے عرش پہ جانا اور معراج ہوجانا، یہ بھی معجزہ ؎

دیئے معجزے انبیا کو خدا نے
میرا نبی معجزہ بن کے آیا

اللہ نے محبوب ﷺ کو معجزے دئے اور اتنے بڑے بڑے معجزات دئے! میں کیسے آپ کی خدمت میں یہ بات عرض کروں، اتنا عظیم معجزہ ہے واقعۂ معراج! امت کو چاہیے تھا کہ ہر روز جب بھی کوئی کہتا ہم نے بڑی ترقی کی ہے تو ان کو کہنا چاہیے تھا اصل تو ہمارا حق ہے ترقی میں آگے بڑھنے کا، اس لئے کہ ہمیں ان رستوں کا مسافر بننا ہے جن راستوں پہ نبی پاک ﷺ نے ہمیں چلنے کا کہا۔

محبوب ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے معراج عطا کی، اب وہ معراج میں بھی بندے بڑے پریشان ہیں، میں بات سمیٹنا چاہتا ہوں۔اب زمانہ ہوگیا ایک گروپ ہے، میں نے جمعہ میں کہا تھا کہ اب ہر سال نہیں ہم دلیلیں دینا چاہتے کہ حضور ﷺ خواب میں گئے ہیں کہ حقیقت میں گئے ہیں، یہاں عجیب منظر ہے، بعض لوگ کہتے ہیں جی! نبی کریم ﷺ نے سارے معراج جتنے بھی محبوب ﷺ کو معراج ہوا ہے یہ خواب میں ہوا ہے، میں اگر کہوں کہ میں نے رات کو خواب دیکھا ہے، میں کسی ملک کا صدر بن گیا ہوں تو آپ کو کوئی اعتراض ہے اس بات پر؟ ویسے میں کہوں یہاں کھڑا ہو کے کہ میں صدر ہوں تو آپ کو اعتراض ہے! کیونکہ جناب! آپ صدر نہیں ہیں۔

کوئی شخص آپ میں سے اٹھ کے کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے، رات خواب میں میں یہاں سے نکلا ہوں، امریکہ گیا، وہاں سے برطانیہ آیا، وہاں سے ہالینڈ چلا گیا، وہاں سے افریقہ کے جنگل دیکھے، وہاں سے میں عرب آ گیا۔میں نے دبئی، مسقط اور یہ سارے ریگستان دیکھے اور پھر اللہ نے مجھے موقع دیا اور حرم کی حاضری نصیب ہوئی خواب میں، میں سارا دیکھ کے آیا ہوں تو آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ کیوں جی؟ اور اگر وہ کہے حقیقت میں میں صبح نکلا اور یہاں سے میں امریکہ گیا اور وہاں سے افریقہ آیا، وہاں سے برطانیہ، یورپ! یہ ہنسانے کو نہیں کہہ رہا سمجھانے کو کہہ رہا ہوں! وہاں سے پھر میں سارا عرب گھوم کے شام تک گھر آ گیا، صبح نکلا۔تو آپ مان لیں گے؟ کیوں؟ یہ ممکن نہیں ہے۔

آپ کہیں گے میاں! صرف امریکہ کی فلائٹ اگر یہاں سے ڈائریکٹ بھی کوئی جائے تو چودہ پندرہ گھنٹے کی ہے، آپ تو ایک دن میں بمشکل وہاں پہنچیں گے صبح سے شام تک میں۔آپ وہاں سے واپس کیسے آ گئے اور وہاں بھی چلے گئے اور یہاں بھی چلے گئے، یہ ممکن نہیں! پریشانی ہوتی تب ہے جب کوئی کہتا ہے

میں حقیقت میں گیا۔

یہ جو ابو جہل پریشان ہوا ہے، یہ جو ابولہب پریشان ہوا ہے، یہ جو عتبہ عتیبہ! یہ جو بندے آج تک پریشان ہیں سارے، یہ پریشان اس لئے ہیں کہ حضور ﷺ اگر کہتے میں خواب میں گیا ہوں تو کسی کو مسئلہ ہی نہیں تھا۔ محبوب ﷺ فرماتے ہیں" میں گیا ہوں!

"الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۱)

حضور ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے، وہ ہی ایک رات میں نہیں ہوسکتا، وہ ہی ہفتوں مہینوں کا سفر ہے، وہ ہی نہیں ہوسکتا تھا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ جایا آیا ہی نہیں جاسکتا، رات کے تھوڑے حصے میں! حضور ﷺ نے فرمایا، میں گیا بھی ہوں، آیا بھی ہوں اور پھر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلا آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا آسمان اور خود حدیث پاک میں موجود ہے کہ پہلے آسمان سے لے کر دوسرے آسمان تک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے، پھر اتنا ہی دوسرا، پھر اتنا ہی تیسرا، پھر اتنا ہی چوتھا اور پھر اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ!

یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا، اگر محبوب ﷺ کہتے میں خواب میں گیا ہوں تو کسی نے پریشان نہیں ہونا تھا، یہ سارے تو پریشان رہے ہیں۔ چلیں! ناراض کون سا آپ نے ہونا ہے گھر والی بات ہے۔ سارے پریشان رہے ہیں اور سارے پریشان ہیں۔ تو کسی وجہ سے ہی ہیں! اگر محبوب ﷺ فرماتے، خواب میں ہی گیا ہوں تو انہوں نے پریشان نہیں ہونا۔ یہ جو پریشانی ہے، یہ اسی بات کی ہے کہ محبوب ﷺ فرماتے ہیں، میں گیا ہوں!

اچھا! پھر ایک اور پریشانی ہے کچھ اس لئے بھی اڑ جاتے ہیں، چلیں! میں بزرگوں کے اختلاف کی بات نہیں کرتا، میں ویسے ایک بات کرتا ہوں۔ بڑوں کو سلام ہے کسی نے اگر کوئی دوسرا قول بھی کیا ہے لیکن ویسے محبت کے ساتھ پیار کے ساتھ ادب کے ساتھ ایک بات! بعض اس بات پر بھی اڑ جاتے ہیں، محبوب ﷺ گئے ہیں، پر اللہ کا دیدار نہیں کیا! حضرت جبریل امین علیہ السلام کی زیارت کر کے واپس آ گئے تو یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میں آپ کو بلاؤں اور آپ سے ملوں ہی نا؟

پھر شیخ محقق شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ نے لکھا ہے، حضرت جبریل علیہ السلام کسی نبی کے پاس دو دفعہ گئے، کسی نبی کے پاس چار دفعہ گئے، کسی کے پاس چھ دفعہ گئے، نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت جبریل چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہوئے۔ تو وہ تو روز یہاں آئے ہوتے تھے، ان سے ملنے جانا تھا؟ محبوب ﷺ تو گئے اور پھر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں" میں نے اپنے رب کو سوہنی صورت میں دیکھا" اور نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں" رب نے اپنا دستِ مبارک میری پشت پہ رکھا، جو اس کی شان کے لائق ہے! اور اس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی" اور حضور ﷺ فرماتے ہیں" جب اللہ نے وہ دستِ مبارک رکھا تو پھر میں نے مشرقوں کو بھی جان لیا اور مغربوں کو بھی جان لیا، پھر سارے علوم مجھ پر واضح ہو گئے"

ابن یعقوب کو اللہ نے صورت بخشی
یدِ بیضہ کی کلیم اللہ کو نعمت بخشی
جنابِ عیسیٰ کو مسیحائی کی دولت بخشی
ہر نبی کو کوئی عزت کوئی عظمت بخشی

یاد رکھیے گا کہ حضور ﷺ کا واقعۂ معراج تو امت کے لئے شانوں کا باعث ہے، یہ تو عظمتوں کا باعث ہے، ایک اور مسئلہ بھی! آج ایک دوست مجھ سے کہنے لگے، ایک صاحب کہہ رہے تھے ستائیس رجب کو محفل نہیں کرنی چاہیے، یہ تو کنفرم ہی نہیں ہے کہ ستائیس کو معراج ہوئی تھی۔ میں نے کہا یہ تو میلاد والی بات ہو گئی! ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ حضور ﷺ کا میلاد ۱۲ ربیع الاوّل کو نہیں! میں نے کہا، تو پریشان نہ ہو، میری جماعت بڑی پیار والی ہے وہ تو سفر میں بھی میلاد کرتی رہتی ہے، ربیع الثانی میں بھی میلاد کی محفل! اب تو مجھے زمانہ گزر گیا سفر کرتے، وہ تو سارا سال ہی میلاد کرتے رہتے ہیں، آپ کیا بات کرتے ہیں! اب کون ۱۲ کا پابند رہے سارا سال میلاد ہوتا ہے! کہنے لگے، جی! ۹ ہے۔ میں نے کہا پھر بھی کوئی اعتراض نہیں، آپ ۹/ کو کر لیں، ہمیں کوئی پریشانی نہیں۔ ہم ستائیس رجب کو معراج کی محفل کر

رہے ہیں، آپ کا خیال ہے ۵ رجب ہے آپ ۵ رکو معراج کی محفل کرلیں، ہمیں تو کوئی پریشانی والی بات نہیں!

تو بلاوجہ کے الجھاؤ، بلاوجہ کی بحثیں نہیں ہونی چاہیے۔

بات کو ختم کرتا ہوں، کرنا کیا ہے! امت نے کرنا کیا ہے؟ واقعۂ معراج سبق کیا دیتا ہے؟ درس کیا دیتا ہے؟ واقعۂ معراج امت کو یہ سبق دیتا ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات ظاہری میں جتنا سفر کیا ہے وہ عروج کی طرف کیا ہے، وہ فتح کی طرف کیا ہے۔ نبی پاک علیہ السلام نے ہر قدم اٹھایا ہے تو وہ جدوجہد ہے، وہ کامیابی ہے، وہ آگے بڑھنا ہے، وہ عروج ہے، وہ ایک دو تین صحابہ سے بات شروع ہوئی پھر حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے پھر حالات کا یہ رنگ ہوا کہ

"اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۔" (سورہ فتح، آیت نمبر ۱)

پھر وہ عروج ہوا، وہ تیئیس سالوں میں وہ انقلاب آیا، آگے بڑھنا، جدوجہد کرنا، کوشش کرنا، عروج کی طرف جانا، وہ وقت آیا کہ

"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ (1) وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۔ (2) (سورۂ نصر) محبوب ﷺ! آپ دیکھیں گے اللہ کی مدد آئی، فتح حاصل ہوگئی، فوجوں کی فوجیں دین میں داخل ہو رہی ہیں۔"

عروج ہے، کمال ہے، ترقی ہے، آگے بڑھنا ہے، جدوجہد کرنا ہے۔ امت آج بیٹھ کے سوچ رہی ہے کہ ہم نے کوئی محنت ہی نہیں کرنی، ہم نے آگے ہی نہیں بڑھنا، ہم نے کسی ایجاد کی طرف توجہ نہیں دینی، ہم نے ترقی کا کوئی رستہ اختیار نہیں کرنا۔ یہ ایک ایجاد کر کے ہمیں دی گئی ہے موبائل! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی کمر ٹیڑھی کر لے لیٹ لیٹ کے موبائل دیکھ دیکھ کے، ہمیں تو دیکھنا چاہیے تھا کہ ٹیکنالوجی بڑھ رہی ہے، ایجادات بڑھ رہی ہیں، ہمیں آگے بڑھنا ہے، مسلمانوں کو آگے جانا ہے اور کس طرح کر کے فروغ دین کے لئے ان ساری چیزوں کو استعمال کرنا ہے اور زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل کر کے اپنے دین کو فروغ دینا ہے، آگے بڑھنا ہے، امت کا سر اونچا کرنا ہے۔

لیکن امت ہے کہ وہ بار بار پیچھے ہٹتی جا رہی ہے، بار بار کمزوری دکھاتی جا رہی ہے، بار بار ہم ہیں کہ ہمارے قدم لڑکھڑاتے ہیں، ہم پیچھے کی طرف آتے ہیں، ہم آگے قدم ہی نہیں اٹھاتے۔ معراج ہمیں بتاتا ہے کہ امت! تو نے عروج حاصل کرنا ہے۔

"ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۔ ہم نے یہ رسول ﷺ تمہیں اس لئے عطا کئے ہیں، یہ شانوں والے رسول تمہیں اس لئے دئے ہیں کہ ہم اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیں گے۔"

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

یہ دین غالب ہونے کے لئے ہے، واقعۂ معراج کیا بتاتا ہے ہمیں؟ نبی پاک ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں سارے نبیوں کی امامت کرائی ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نبیوں کے امام ہیں، یہ امت امتوں کی امام ہے! اس نے امامت کرنی ہے امامت! ترقی، عروج، جدوجہد، آگے بڑھنا۔ ملت کے جوانو! واقعۂ معراج تمہیں بتاتا ہے کہ تمہیں آگے بڑھنا ہے، تمہیں کوشش کرنی ہے۔

اٹھ! کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

جدوجہد کریں! میرا مالک بڑا کریم ہے، جو اس کی جانب ایک قدم اٹھاتا ہے، اللہ کی رحمت آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرتی ہے۔ آپ کوشش تو کریں، ہمت تو کریں، جدوجہد تو کریں، آپ آگے تو بڑھیں۔ اقبال کہنے لگے

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

واقعۂ معراج ہمیں بتاتا ہے ہم نے آگے بڑھنا ہے، کوشش کرنی ہے، جدوجہد کرنی ہے، کریں گے؟ ان شاء اللہ! جو شخص جس حد تک اپنے لئے، ملک کے لئے، ملت کے لئے، خاندان کے لئے، قبیلے کے لئے، دین کے لئے بقیہ ص ۲۵ ر پر

از: مولانا توحید احمد خان رضوی *

مطالعۂ سیرت کی اہمیت وافادیت

سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت ہر مسلمان پر اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ سیرت کا مطالعہ ایک اہم دینی ضرورت ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکت دین متین کا بنیادی ماخذ ہے اور یہ سیرت نبوی کا ہی اعجاز ہے کہ اتنے جامع اور اکمل انداز میں موجود ہے۔ دنیا کے کسی بھی انسان کی سیرت اتنے جامع انداز میں موجود نہیں ہے اور یہ جامعیت واکملیت اس لیے ہے کہ رہتی دنیا تک تمام اقوام عالم کو سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روشنی حاصل کرنا تھی تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی سیرت کی حفاظت کا ایسا حسین انتظام فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اس کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ مختلف پہلوؤں سے جدید انداز میں سیرت کو پیش کیا جائے۔

محبت رسول کا تقاضا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی جان ہے، مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں ہر چیز سے زیادہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، فرمان مصطفیٰ ہے کہ:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحبَّ إلیه من ولده و والده والناس أجمعین۔ (مسلم شریف، حدیث ۴۴) یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد، اس کے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت مدار ایمان ہے، اس محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو پڑھا جائے کیونکہ انسان جس سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، اس کا ذکر بھی اتنی ہی کثرت سے کرتا ہے۔

یہ محبت رسول کا تقاضا ہی تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک دوسرے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احوال اور آپکی صفات پوچھتے تھے اور اسی عمل کی اتباع تابعین نے کی، علما و محدثین نے محبت رسول میں سرشار ہو کر احادیث اور احوال نبوی کی جمع وتدوین کا اہم کام انجام دیا۔

محبت رسول میں اضافہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی محبت کے حصول اور اس میں اضافے کا ایک بہترین ذریعہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھنا اور آپ کی خصوصیات اور پاکیزگی احوال پر مطلع ہونا ہے۔ کیونکہ انسان کسی بھی ہستی کو جس قدر پڑھتا اور اس ہستی کی منفرد خصوصیات اور احوال پر مطلع ہوتا ہے، اسی قدر اس کے دل میں اس ہستی کی محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ معاملہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ میں نہایت ہی بلندی کو پہنچا ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ جو شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ جس قدر زیادہ اور جتنی وارفتگی سے کرتا ہے وہ محبت رسول اور عشق میں اسی قدر ہی اعلیٰ و ارفع منازل طے کرتا ہے۔

قرآن کریم کا سمجھنا سیرت کے مطالعہ پر موقوف

قرآن کریم مسلمانوں کے لئے قانون زندگی، شریعت کا ماخذ، علم وحکمت کا سرچشمہ اور کامیابی کا عظیم نسخہ ہے۔ لیکن اس نسخہ سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بہت زیادہ نفع بخش ہے، کیونکہ قرآن کے

* مضمون نگار جامعہ تحسینیہ ضیاء العلوم، پرانا شہر بریلی شریف کے استاذ ہیں۔

اسلامیات

آفاقی پیغام کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔الفاظ قرآن کی صحیح تعبیر ومعانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعے پر ہی موقوف ہے،اسی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول سے اس طرح اشارہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تو قرآن تھا۔

اتباع رسول کے حکم پر عمل سیرت کے مطالعہ پر موقوف

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت و پیروی کے حکم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی محبت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے معلق فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔

(پ5، النسآء:59) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔"

اور دوسری جگہ رب تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ (پ3، آل عمران:31)

اے حبیب! فرمادو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ۔"

ان دونوں آیات پر غور کیجئے اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بیان فرمایا اور اپنی محبت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے ساتھ جوڑ دیا۔

اس سے پتہ چلا کہ جو دنیا وآخرت میں کامیابی چاہتا ہے اور جو اللہ رب العالمین کی رضا کا طلبگار ہے۔اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا ہوگی اور اس کے لئے سنت مصطفیٰ کا علم ضروری ہے جو نبی کریم کی سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہوگا۔ہمیں چاہیے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے رشتے کو مضبوط کرتے ہوئے خود بھی سیرت کے مطالعہ کے عادی بنیں اور دوسروں کو بھی اس طرف رغبت دلائیں۔

اللہ رب ہمیں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پکی محبت عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

□□□

ص ۳۰ کا بقیہ

ہم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، ہم کو روہنگیا بنانے کی تیاری تقریباً پوری ہو چکی ہے لیکن قوم کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے، جنتر منتر تک بھی لوگوں نے جانے کی زحمت نہیں کی ہے۔

انصاف پسند ہندوؤں سے رابطے بڑھانے کی کوئی سعی نہیں ہو رہی ہے۔میڈیا کے تئیں غفلت برقرار ہے۔آج تمام سیاسی پارٹیوں کے لئے مسلمان ''اچھوت'' بن چکے ہیں۔کیا ایسے وقت میں بھی سر جوڑ کر بیٹھنے اور ایک مشترکہ حکمت عملی بنانے کی ضرورت نہیں ہے؟

□□□

ص ۴۰ کا بقیہ

بدل پیش نہیں کر سکی ہے، ایسی ہمہ جہت شخصیات تو برسوں میں جنم لیتی ہیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اور

آج اک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے

□□□

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کرکے مطلع فرمائیں تاکہ محکمہ ڈاک میں شکایت کرکے رسالہ پہنچایا جاسکے۔ 8755096981 پر ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

از: محمد فداء المصطفیٰ قادری*

عید الاضحیٰ! سنت ابراہیمی اور ہمارا طرزِ عمل

عید الاضحیٰ محض ایک تہوار یا رسمی عبادت کا نام نہیں بلکہ یہ بندۂ مؤمن کے ایمان، وفاداری اور جذبۂ ایثار کا وہ روشن مینار ہے جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اطاعت پر قائم ہے۔ یہی وہ مقدس یادگار ہے جو ہر سال امت مسلمہ کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی خواہشات، محبتوں اور مفادات کو قربان کر دینا ہی بندگی کا حقیقی مفہوم ہے۔ قربانی دراصل انسان کے ظاہر سے زیادہ اس کے باطن کا امتحان ہے، جہاں اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کو پرکھا جاتا ہے۔

افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ اس عظیم عبادت کی روح دھیرے دھیرے ماند پڑتی جا رہی ہے جو قربانی کبھی عاجزی، سادگی اور خدا خوفی کی علامت تھی، آج کئی مقامات پر نمود و نمائش، فخر و مباہات اور رسم و رواج کے دبیز پردوں میں چھپتی دکھائی دیتی ہے، عبادت کا جوہر اخلاص ہے، لیکن جب نیتوں میں کھوٹ آجائے تو بڑے سے بڑا عمل بھی بے وزن ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قربانی کے ظاہری مظاہر سے آگے بڑھ کر اس کے حقیقی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

عید الاضحیٰ کے مبارک ایام میں دنیا بھر کے مسلمان سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک اور سعادت بھرا عمل ہے، جس میں لاکھوں مسلمان شریک ہو کر اپنی محبت الٰہی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی عبادت کی قبولیت کا دار و مدار صرف اس کے ظاہری حسن پر نہیں بلکہ نیت کے اخلاص پر ہوتا ہے، اگر دل ریاکاری سے آلودہ ہو تو عبادت کا نور ماند پڑ جاتا ہے، قربانی بھی انہی اعمال میں سے ہے جس میں نیت کی پاکیزگی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

آج کے دور میں ایک عجیب روش پروان چڑھتی جا رہی ہے کہ لوگ قربانی کو عبادت سے زیادہ اپنی حیثیت اور دولت کی نمائش کا ذریعہ بنا بیٹھے ہیں، مہنگے ترین جانور خریدنا، ان کی قیمتوں کے چرچے کرنا، اور لوگوں کے درمیان اپنی شان و شوکت کا سکہ جمانا گویا ایک فیشن بنتا جا رہا ہے، بعض افراد ایک ایک جانور پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، لیکن اس کے پسِ پشت اخلاص کم اور شہرت کی خواہش زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ عبادت جب دکھاوے کی نذر ہو جائے تو اس کی روح پر زنگ لگ جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ قربانی کے نام پر اس قدر اسراف اور تکلف آخر کیوں؟ خصوصاً جب یہی لوگ زکاۃ، صدقات اور دیگر مالی حقوق کی ادائیگی میں سستی اور بے توجہی کا مظاہرہ کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات مہنگے جانور خریدنے کے پیچھے اللہ کی رضا سے زیادہ لوگوں کی واہ واہ مقصود ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قربانی سے پہلے جانوروں کی تشہیر، ان کی نمائش، بازاروں میں جلوس کی مانند گھمانا اور پھر سوشل میڈیا پر تصاویر اور ویڈیوز کی بھرمار عام ہو چکی ہے، گویا عبادت کم اور نمائش زیادہ رہ گئی ہے۔

اگر انہی لوگوں کو یہ مشورہ دیا جائے کہ سادہ جانور خرید کر باقی رقم کسی غریب، یتیم یا ضرورت مند کی مدد پر خرچ کر دیں تو اکثر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، حالانکہ اخلاص کے ساتھ کسی محتاج کے چہرے پر مسکراہٹ لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب عمل ہے۔ مگر افسوس کہ جہاں نفس کی خواہشات غالب آ جائیں وہاں ایثار کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ دینِ اسلام صرف رسموں کا نہیں بلکہ احساسِ انسانیت اور خیر خواہی کا مذہب ہے۔

بعض افراد قربانی کو محض گوشت حاصل کرنے کا ذریعہ

سمجھ بیٹھتے ہیں، بڑے اور بھاری جانور اسی نیت سے خریدے جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ گوشت حاصل ہو سکے، حالانکہ وہی لوگ بعض اوقات قرض کی ادائیگی، زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر واجبات میں غفلت برتتے ہیں۔ اس رویّے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ قربانی کی اصل روح کہیں پسِ پشت چلی گئی ہے اور ذاتی منفعت کو اصل مقصود بنالیا گیا ہے۔

حالانکہ قربانی کا اصل پیغام اپنی خواہشات پر چھری پھیرنا ہے، نہ کہ صرف دسترخوان سجانا۔ اسی ذہنیت کے تحت بعض لوگ قربانی کا بیشتر گوشت خود ہی سنبھال کر رکھتے ہیں اور غریبوں کو معمولی حصہ دے کر اپنی ذمہ داری پوری سمجھ لیتے ہیں، اگرچہ شریعت نے قربانی کا گوشت کھانے اور محفوظ رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن قربانی کو صرف شکم پروری تک محدود کر دینا اس عبادت کے مقصد سے ناواقفیت کی علامت ہے، قربانی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت، تقویٰ اور بندگی کے جذبے کو زندہ کرنے کا نام ہے، قرآنِ مجید نے قربانی کی حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:

"لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ۔ (سورۃ الحج:37) یعنی اللہ تعالیٰ تک نہ جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس کے حضور بندے کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں قربانی کی پوری روح سمٹ کر آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری نمود کو نہیں بلکہ دلوں کے حال کو دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک جانور کی قیمت نہیں بلکہ نیت کی قیمت ہے۔ لہٰذا ہر صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ قربانی کے موقع پر اپنی نیتوں کا محاسبہ کرے اور اس عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، قربانی ایسی ہو جس میں عاجزی ہو، انکساری ہو، تقویٰ ہو اور خدا ترسی ہو۔ اگر ایک غریب شخص اخلاص کے ساتھ معمولی قربانی پیش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص سے کہیں زیادہ مقبول ہو سکتی ہے جو لاکھوں خرچ کر کے بھی ریاکاری میں مبتلا ہو۔

اگر مسلمان قربانی کی اصل روح کو سمجھ لیں تو یہی عبادت ان کے اندر ایثار، ہمدردی، قربانی اور دین کے لیے جان و مال لٹانے کا جذبہ بیدار کر سکتی ہے۔ یہی جذبہ انسان کو خود غرضی سے نکال کر انسانیت کی خدمت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ قربانی کا پیغام صرف جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اپنے نفس، غرور، لالچ اور دنیا پرستی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کرنا ہے، حقیقی کامیابی یہی ہے کہ قربانی ہمارے دلوں کو بدل دے، ہماری سوچ کو پاکیزہ بنا دے اور ہمارے اندر اخلاص وتقویٰ کی شمع روشن کر دے، اگر اس عبادت کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائے اور اس کی زندگی میں بندگی کا رنگ نمایاں ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ قربانی اپنی اصل روح کے ساتھ ادا ہوئی ہے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قربانی کی حقیقی روح کو سمجھنے، اخلاص وتقویٰ کے ساتھ اس عظیم عبادت کو ادا کرنے اور ریاکاری و نمود و نمائش سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یاربّ العالمین۔

□□□

ص ۲۱/ کا بقیہ ....

جدوجہد کر سکتا ہے وہ کرے، وہ آگے بڑھے، ہمت کرے، دو دو چار چار لوگوں کا بازو تھامے، سہارا بنے لیکن عروج کی طرف بڑھے، نوجوانوں سے کہتا ہوں، جدید حالات کو دیکھو، سیکھو، ٹیکنالوجی کی طرف بڑھو، علم کی طرف بڑھو، شعور کی طرف بڑھو! بیٹھے نہ رہو۔ دو دو چار چار پانچ پانچ دس دس کورسز کرو، آگے بڑھو۔

□□□

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کر کے مطلع فرمائیں تاکہ محکمۂ ڈاک میں شکایت کر کے رسالہ پہنچایا جا سکے۔ 8755096981 پر ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

از: مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی *

مسلم معاشرے میں رسمِ ہلدی! شرعی نقطۂ نظر

مسلم معاشرہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ایسا پاکیزہ اور متوازن نظامِ حیات کا حامل ہے جس کی بنیاد وحیِ الٰہی، تعلیماتِ نبویہ ﷺ اور اسلافِ امت کے معتدل و مہذب طرزِ عمل پر قائم ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر گوشے کو واضح اصولوں اور ضابطوں کے ساتھ مربوط کیا ہے، یہاں تک کہ خوشی اور مسرت کے مواقع بھی ایک خاص وقار، حیا اور اعتدال کے ساتھ منانے کی تعلیم دی گئی ہے۔

نکاح، جو انسانی معاشرت کی اساس اور نسلِ انسانی کے تسلسل کا ذریعہ ہے، اسلام میں ایک مقدس عبادت اور باعثِ برکت عمل قرار دیا گیا ہے، جسے سادگی، آسانی اور پاکیزگی کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ وقت کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرے میں ایسی متعدد غیر اسلامی رسوم داخل ہو چکی ہیں جنہوں نے نکاح جیسے بابرکت عمل کو بوجھل، مہنگا اور خرافات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔

انہی رسومات میں ایک نمایاں اور تیزی سے فروغ پانے والی رسم "ہلدی" کی ہے، جو بظاہر ایک خوشی کی تقریب معلوم ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی شرعی، اخلاقی اور تہذیبی قباحتیں سموئے ہوئے ہے۔ رسمِ ہلدی کا تاریخی پس منظر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ دراصل برصغیر کی ہندو تہذیب سے ماخوذ ایک روایت ہے، جس میں شادی سے قبل دلہا اور دلہن کو ہلدی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس عمل کو نہ صرف جسمانی خوبصورتی بلکہ بعض توہماتی تصورات کے تحت نحوست کو دور کرنے اور برکت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، جب مسلمان اس خطے میں آباد ہوئے اور مقامی تہذیبوں کے ساتھ ان کا میل جول بڑھا تو رفتہ رفتہ یہ رسم بھی ان کے معاشرتی ڈھانچے میں داخل ہو گئی۔ ابتدا میں شاید یہ محض ایک ثقافتی اثر تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس نے ایک مستقل اور لازمی تقریب کی حیثیت اختیار کر لی، یہاں تک کہ اب بعض حلقوں میں اسے شادی کا ناگزیر جز سمجھا جانے لگا ہے۔

موجودہ دور میں اس رسم کی صورت حال نہایت تشویشناک ہو چکی ہے۔ ہلدی کی تقریب اب محض ہلدی لگانے تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ ایک مکمل "ایونٹ" بن چکی ہے جس میں گانے بجانے، رقص و سرود، مخلوط محافل، بے پردگی، فیشن کی نمائش اور فضول خرچی کا کھلا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دلہا اور دلہن کو مجمع کے سامنے بٹھا کر ان پر ہلدی ملنا، مخصوص گیت گانا، قہقہوں اور غیر سنجیدہ حرکات کے ذریعے اس مقدس موقع کو ایک تماشہ بنا دینا، یہ سب ایسے مظاہر ہیں جو کسی بھی مہذب اور دینی شعور رکھنے والے معاشرے کے لیے باعثِ تشویش ہونے چاہییں، اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے محض ایک غیر ضروری رسم پر خرچ کر دینا اسراف کی بدترین مثال ہے۔

اگر اس رسم کا شرعی زاویے سے جائزہ لیا جائے تو کئی اہم اصول سامنے آتے ہیں جو اس کی حیثیت کو واضح کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے" تشبہ بالکفار " کا مسئلہ ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم اقوام کی مذہبی اور مخصوص تہذیبی علامات کی نقالی سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ" جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے" اس بات کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ رسمِ ہلدی اپنی اصل میں غیر مسلم تہذیب سے ماخوذ ہے اور ایک مخصوص مذہبی و ثقافتی پس منظر رکھتی ہے، اس لیے اسے بطور رسم اپنانا شرعاً محلِ نظر ہے، خصوصاً جب اسے شعائر کی

* مضمون نگار جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور کے استاذ ہیں۔

طرح اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔

دوسرا اہم پہلو بدعت اور غیر ثابت امور کا ہے، اسلام نے عبادات اور معاشرتی اعمال دونوں میں حدود مقرر کی ہیں۔ نکاح کے حوالے سے قرآن وسنت میں جو طریقہ کار بیان ہوا ہے، اس میں سادگی اور بے تکلفی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کسی ایسی رسم کو جو شریعت میں نہ ہو، شادی کا لازمی حصہ سمجھ لینا یا اسے دینی یا سماجی حیثیت دینا بدعت کے دائرے میں آتا ہے، رسمِ ہلدی اگرچہ بظاہر عبادت نہیں، مگر جب اسے ایک مستقل اور ضروری رسم کے طور پر اپنایا جائے تو یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہو جاتی ہے۔

تیسرا پہلو ان قباحتوں کا ہے جو اس رسم کے ساتھ جڑ چکی ہیں۔ بے پردگی، نامحرموں کا اختلاط، موسیقی اور لغویات، یہ سب ایسے امور ہیں جن کی حرمت مسلم ہے۔ جب ایک رسم ان تمام منکرات کا مجموعہ بن جائے تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے، اسلام نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، جبکہ ایسی تقریبات حیا کے اس تصور کو مجروح کرتی ہیں اور معاشرے میں بے راہ روی کو فروغ دیتی ہیں۔

چوتھا اہم مسئلہ اسراف اور فضول خرچی کا ہے۔ قرآن کریم نے فضول خرچی کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ آج کے دور میں ہلدی کی تقریبات پر جس طرح پیسہ لٹایا جاتا ہے، وہ نہ صرف دینی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے شادی ایک مشکل اور مہنگا مرحلہ بن جاتی ہے، جس کے نتیجے میں غریب اور متوسط طبقہ شدید دباؤ کا شکار رہتا ہے۔

معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے بھی اس رسم کے اثرات نہایت منفی ہیں۔ یہ شادی کو سادگی اور برکت کے بجائے نمود و نمائش اور مقابلہ بازی کا ذریعہ بنا دیتی ہے، لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تقریبات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ریاکاری اور دکھاوے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔

مزید برآں، نوجوان نسل ان رسومات کو دیکھ کر یہی سمجھتی ہے کہ شادی کا اصل مقصد یہی تفریح اور ہنگامہ آرائی ہے، جس سے نکاح کی اصل روح پس پشت چلی جاتی ہے۔

ان حالات میں اصلاح کی ضرورت انتہائی شدید ہے، سب سے پہلے یہ ذمہ داری اہلِ علم، علما اور خطبا پر عائد ہوتی ہے کہ وہ حکمت اور بصیرت کے ساتھ ان مسائل کو عوام کے سامنے پیش کریں اور صحیح اسلامی تعلیمات کو اجاگر کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین اور سرپرستوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا کہ وہ اپنی اولاد کی شادیوں میں سادگی کو اختیار کریں اور غیر اسلامی رسومات سے اجتناب کریں۔

معاشرے میں ایسے نمونے پیش کیے جائیں جن میں نکاح سنت کے مطابق سادہ اور بابرکت انداز میں انجام پائے، تاکہ دوسروں کے لیے بھی ترغیب کا باعث بنیں۔

میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز کا استعمال بھی مثبت انداز میں کیا جا سکتا ہے، جہاں سادہ شادیوں کو فروغ دیا جائے اور ان خرافات کے نقصانات کو اجاگر کیا جائے۔ اگر معاشرے کے بااثر افراد خود اس سلسلے میں پہل کریں تو یقیناً اس کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔

رسمِ ہلدی بظاہر ایک معمولی اور خوشی کی علامت سمجھی جانے والی تقریب ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک ایسی غیر اسلامی روایت ہے جو مسلم معاشرے میں غیر مسلم تہذیب کی نقالی، بدعت، اسراف، بے حیائی اور دیگر متعدد قباحتوں کو فروغ دے رہی ہے شریعتِ اسلامیہ نکاح کو سادہ، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کی تعلیم دیتی ہے، جبکہ یہ رسم اس کے برعکس ایک بوجھل اور غیر ضروری اضافہ ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی دینی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ایسی تمام رسومات سے اجتناب کریں جو قرآن وسنت کے مزاج کے خلاف ہوں اور نکاح کو اس کی اصل روح کے مطابق سادگی اور وقار کے ساتھ انجام دیں۔ یہی طرزِ عمل دنیا و آخرت کی کامیابی اور ایک صحت مند معاشرے کی ضمانت ہے۔

□□□

از: مولانا محمد زاہد علی مرکزی*

مشہور ومقبول اصطلاح "بریلوی" پر اعتراض کیوں؟

وقتاً فوقتاً اصطلاح "بریلوی" کے خلاف آواز اٹھتی رہتی ہے اور وجہ ہوتی ہے کہ عالم عرب میں ہم اپنی پہچان کیسے کرائیں اور اغیار ہمیں اس نسبت کے سبب عالم عرب یا عالم اسلام میں ایک نئے فرقے کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس کا اہل سنّت وجماعت کو نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام اہل سنت کے لیے اس اعتراض کا جواب دیا جائے تاکہ " نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"

(1) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ "بریلویت" محض ایک نسبت ہے، جو سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلی علیہ الرحمہ کی علمی، فکری اور مسلکی خدمات کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ یہ کوئی نیا دین یا الگ مذہب نہیں، بلکہ اہلِ سنت و جماعت ہی کا تسلسل ہے، جیسا کہ ماضی، حال اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی اہل سنّت وجماعت کی پہچان مختلف ائمہ، بزرگان دین کے ناموں سے ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

ہمارے اکابرین نے اغیار کی لاکھ کوششوں کے بعد بھی اس پہچان کو نہ صرف حرزِ جاں بنائے رکھا بل کہ ساری دُنیا میں اغیار کے پروپیگنڈے کو بےنقاب بھی کیا۔

(2) رہی بات اغیار کی تو آج ایسے فرقے موجود ہیں جو ائمہ کرام کو بھی نہیں مانتے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ مسلک اور اماموں کی پیروی کہاں سے آ گئی؟ ظاہر ہے ہم ان کا جواب دیں گے نہ کہ مسلک امام اعظم و ائمہ ثلاثہ کی معروف ومقبول اصطلاح پر ہی شکوک وشبہات قائم کر دیں گے۔

بھئی وہ تو ہمیں طنزاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بھی کہتے ہیں اور اسے بھی الگ ہی دین، فرقہ قرار دیتے ہیں، ایسے ہی انھیں اشاعرہ و ماتریدیہ کہنے پر بھی اعتراض ہے؟ وجہ کیا ہے؟ وہی جماعت سے کٹ کر شخصیت کو شناخت وفرقہ بنانے کی کوشش لیکن ان کی کوششیں جیسے کل ناکام تھیں آج بھی ناکام رہیں گی، ساری دنیا میں ائمہ اربعہ کے نام گونج رہے ہیں۔

مذکورہ بالا اصطلاحات کی طرح آج اصطلاح بریلویت بھی برصغیر میں ایک واضح شناخت حاصل کر چکی ہے اور اس نسبت کو خود اکابرینِ اہلِ سنت نے پچھلے کئی عشروں میں نہ صرف قبول کیا بل کہ اس کا دفاع بھی کیا۔ بل کہ اب تو یہ اصطلاح برصغیر کی بیڑیاں توڑ کر عالم اسلام میں معروف ہو رہی ہے اور " ما انا علیہ واصحابی " کی عکاسی کر رہی ہے۔

(3) تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اس اصطلاح پر اعتراض ہوا، کچھوچھہ، مارہرہ، بریلی اور برصغیر کے دیگر علمی مراکز کے جید علما نے نہ صرف اس کا جواب دیا بلکہ اس نسبت کو اہلِ سنت کی پہچان کے طور پر پیش بھی کیا۔

انہوں نے اس اصطلاح کو دفاعی ہی نہیں بل کہ تعارفی اور امتیازی حیثیت سے استعمال بھی کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ جب حکومتی نصابوں اور اداروں میں بریلوی اصطلاح معروف ومشہور ہے تو اب آپ اس سے بچ کر کہاں جائیں گے؟

(4) عالم عرب اور بریلویت: یہ اعتراض کہ عالم عرب اور دیگر خطوں میں جب اہلِ سنت کا تعارف کرایا جاتا ہے تو وہاں محض "بریلوی" کہہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ وہاں عقائد ومعمولات اہل سنت کی وضاحت درکار ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ عرب یا عالم اسلام میں آپ خود کو بریلوی کہیں، وہاں تو اہل سنت وجماعت ہی بولیں، جب وہابیہ یا کوئی اور آپ کو خارج اہل سنت وجماعت ثابت

* مضمون نگار تحریک علمائے بندیل کھنڈ کے چیئرمین ہیں۔

کرے تو انھیں سرکار اعلیٰ حضرت کی طرح جواب دے کر لاجواب بھی کریں اور اپنی شناخت کا اظہار بھی کریں، ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ اہل سنت کو ہی "بریلوی" کہا جاتا ہے۔

بریلویت کوئی علاحدہ فرقہ یا دین نہیں ہے، یہ برصغیر کے گمراہ و باطل عقائد ونظریات رکھنے والوں سے امتیاز کرنے کی اصطلاح ہے اور اسے برصغیر تک ہی محدود رکھیے!

(5) ہم کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں اگر ہم عالم عرب یا عالم اسلام کو دیکھتے ہیں اور وہاں جواب کی فکر رکھتے ہیں تو ہمیں اس تاریخی حیثیت کو نہیں بھولنا چاہیے جو ماضی میں ہمارے امام نے مکہ میں رقم کی تھی۔ کیا ہم الدولۃ المکیہ کو بطور ثبوت نہیں پیش کر سکتے؟ وہابیہ نے وہاں بھی تو ہمیں ایک الگ گروہ ہی شمار کرایا تھا، لیکن جب ہمارے امام نے جواب دیا تو ہمیں الگ فرقہ بتانے والے ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ!

پھر حرمین شریفین کے مفتیانِ کرام کی تصدیقات، مکہ مکرمہ کے علما کے سامنے پیش کیے گئے عقائد اور ترکی و دیگر ممالک کے اہلِ علم سے روابط، فتاویٰ پر تصدیقات اور خلافتیں، اجازتیں یہ سب مضبوط دلائل کے طور پر کیوں پیش نہیں کیے جا سکتے؟ جتنا زور ہم دیگر چیزوں میں لگا رہے ہیں اگر اتنا زور ان تاریخی شواہد کو پیش کرنے میں لگائیں تو عالم عرب ہو یا عالم اسلام سب جگہ ہم بریلوی اہل سنت وجماعت ہی سمجھے جائیں اور گمراہوں کا پروپیگنڈہ نہ صرف دینی بل کہ تاریخی طور پر بھی ناکام ہو جائے، نیز ان تاریخی شواہد سے گمراہوں کی قلعی بھی عالم عرب میں خود بخود کھل جائے۔

(6) مجھے لگتا ہے کہ یہ صرف ہماری پریشانی نہیں ہے عالم اسلام میں مختلف ملکوں، علاقوں میں کوئی نہ کوئی تجدیدی عالم ضرور ہوگا جسے اس خطے کے لوگ اپنی پہچان کے طور پر استعمال کرتے ہوں گے اور ان کی اصطلاح وہاں بھی اہل سنت وجماعت کے ساتھ ساتھ اس عالم یا خطے کے مشہور بزرگ سے ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ جب ایک اصطلاح رائج ہو چکی ہو، اس پر علمی سرمایہ موجود ہو اور عوام وخواص دونوں اس سے واقف ہوں، تو اچانک اس پر اشکالات کھڑے کرنا بسا اوقات انتشار کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اہل علم کو اپنی بات رکھتے ہوئے احتیاط ضرور کرنا چاہیے۔

❑❑❑

ص ۶۴ کا بقیہ ....

ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (ان کو خوش رکھنے کی جائز تدابیر اختیار کرنا)۔ پھر تیسرے نمبر کا افضل عمل جہاد شرعی ہے۔

باپ کے سامنے بولنے اور ہمراہ چلنے میں بھی ادب مطلوب؟

حضرت فرقد سنجی (علیہ الرحمۃ والرضوان) سے منقول ہے، ارشاد فرمایا:

"میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے (لکھا تھا) کہ اولاد کو ماں باپ کی حضوری میں ان کی مرضی جانے بغیر، (بے باکانہ) بات نہیں کرنی چاہئے اور نہ ان کے آگے آگے (بلا وجہ) چلنا چاہئے اور نہ ان کے دائیں بائیں (برابر میں) چلنا چاہیے۔ ہاں اگر وہ ایسا کرنے کو کہیں تو ان کی بات مان لے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ (ادب واحترام کے ساتھ) ان کے پیچھے پیچھے چلے جیسے (زرخرید) غلام اپنے مالک کے پیچھے چلتا ہے۔"

حق والدین کس قدر عظیم

حدیث شریف: منقول ہے کہ ایک صحابی، نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں چلنے پھرنے پکڑنے وغیرہ ضرورتوں سے عاجز وقاصر ہو چکی ہے۔ میرے پاس رہتی ہے۔ میں خود اپنے ہاتھ سے اسے کھانا کھلاتا ہوں (اس کے منھ میں لقمے دیتا) پانی پلاتا، وضو کراتا، اپنے کاندھوں پر سوار کر کے (رفع حاجت کے لئے) لاتا لے جاتا ہوں۔ تو کیا میں نے اس کے حقوق کا بدلہ اتار دیا؟ فرمایا: نہیں، یک فیصد بھی نہیں۔ ہاں تیرا یہ سلوک اچھا ہے (قابل تحسین ہے) اور اللہ (کی شان سے بعید نہیں کہ وہ) تجھے تھوڑے میں بہت ثواب دیدے۔

.........جاری ❑❑❑

از: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان*

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ہمارے آشیانے کی بربادی کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ ۱۸۵۷ اور ۱۹۴۷ء ایک نئی شکل لے کر نمودار ہو چکا ہے۔ صرف کوئی اندھا، بہرا ہی ہوگا جو آنے والی آندھیوں کے جھونکوں کو محسوس نہیں کر سکتا ہے۔ کچھ اشارے یہ ہیں:۔

۱ مسلم پرسنل لاء پر پے در پے حملہ ہو رہا ہے اور اب حکومت اور پارلیمنٹ نے یہ طے کرنے کا حق اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے کہ مسلم عائلی قوانین کیا ہیں یا کیا ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں ملک کے اندر یا باہر کسی مسلم عالم یا تنظیم سے مشورہ کرنے کی زحمت نہیں کی گئی ہے۔ کیا بیس کروڑ مسلمانوں کی مجبوری اور لاچارگی کی اس سے بڑی مثال ہو سکتی ہے؟

۲ ہجومی تشدد کے ذریعے مسلمانوں اور کمزور طبقوں کے افراد کو جہاں چاہیں، جب چاہیں، برسر اقتدار نظریے کے غنڈے مسلسل قتل کر رہے ہیں۔ سوائے مرہم پٹی کے، ملت کے پاس کوئی پروگرام نہیں ہے، آج تک کوئی بڑا مظاہرہ تک نہیں ہوا ہے۔

۳ ہندوستانی قانون میں بنیادی تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں جن سے کوئی گھر اور کوئی محلہ محفوظ نہیں رہے گا، باہمی رضامندی سے زنا (adultery) اب عورت کا حق ہونے جا رہا ہے اور جلد ہی ہم جنسیت مخالف قانون کالعدم کیا جانے والا ہے، اب کوئی اپنی بیوی اور اولاد کو غلط راستہ اپنانے پر قانوناً منع تک نہیں کر سکے گا اور اگر کرے گا تو جیل جائے گا۔ ملت کے رویے سے لگتا ہے کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔

۴ ملک کی ایک ریاست کے ۴۰ لاکھ شہریوں کو، جن میں تین چوتھائی مسلمان ہیں، بیک جنبش قلم شہریت سے محرم کر دیا گیا ہے 157 اور دوسرے صوبوں میں اس عمل کو دہرانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اپنے شہریوں کی اتنی بڑی تعداد کو یکلخت شہریت سے محروم کرنے کی انسانی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے، شہریت سے محروم یہ لوگ یا تو ملک میں غلاموں کی طرح تمام سہولتوں اور حقوق سے محروم ہو کر رہیں گے یا پڑوسی ملکوں میں بھاگ کر پناہ گزیں کیمپوں میں جانوروں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے، بنگلا دیش کی موجودہ حکومت بدلنے پر ان مظلوم بھارتی شہریوں کو وہاں دھکا دے کر بھیجنے کا عمل پورے تشدد کے ساتھ شروع ہو جائے گا۔ تشدد اور تمیز کا شکار ہونے پر پولیس اور عدالتوں میں دادرسی سے یہ لوگ قانوناً محروم ہو جائیں گے۔

۵ تقریباً ایک چوتھائی ووٹروں کے ناموں کو ملک کے مختلف حصوں میں ووٹر لسٹوں سے کاٹ دیا گیا ہے (تفصیل دیکھئے: فرنٹ لائن، ۳۱ اگست ۲۰۱۸) اطلاعات کے مطابق یہ لوگ مسلمان ہیں یا ایسے طبقات سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک مخصوص پارٹی کو ووٹ نہیں دیتے ہیں۔

پہلے ڈیلیمیٹیشن کمیشن کے ذریعے کافی مسلم اکثریتی علاقوں کو دوسروں کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا، اب ووٹر لسٹ سے نام نکال کر ہماری سیاسی محرومی میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ سیاسی حقوق اور ووٹ دینے کے حق سے محرومی کے بعد اب مصلحتاً بھی کوئی لیڈر ہماری بات نہیں سنے گا یا کرے گا، پولیس اور نوکر شاہ دھڑلے کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کریں گے۔

یہ سب ہو رہا ہے اور ہماری تنظیمیں اور ملی رہنما خاموش ہیں بلکہ ان میں سے بعض روزانہ یہ بیان تک دے رہے ہیں کہ آسام کے سلسلے میں سپریم کورٹ پر بھروسہ رکھیں! یہ وہی سپریم کورٹ ہے جس نے مسئلے کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ دوسرے مسائل پر بھی ایسی خاموشی برتی جا رہی ہے جیسے کہ ان کا بقیہ ص ۲۳ / پر

از: مفتی غلام مصطفیٰ نعیمی*

آگ برساتے لہجے

گزشتہ کچھ وقتوں سے ہمارے اسٹیجوں پر آگ برساتے لہجوں کا چلن بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بولتے وقت ماتھے کی رگیں ابھر آتی ہیں۔ آنکھیں اُبل رہی ہوتی ہیں۔ خون کا دوران ماتھے کی سرخی سے عیاں ہوتا ہے۔ جوش غضب میں ہاتھوں کو پہلوان کی طرح بار بار ران پر مارتے ہیں، مٹھی بھینچ کر اس طرح ہوا میں لہراتے ہیں مانو مدمقابل کو ابھی پٹخ دیں گے، سانسوں کی تیزی اور زبان کی بے قابو رفتار سے تھوک کی بوچھاریں مائک کے ساتھ ساتھ اغل بغل کے حاضرین پر بھی اپنے نشان چھوڑ جاتی ہے۔

دل کا اثر کہیں کہ لفظوں کی تنگ دامنی بسا اوقات لہجہ بڑا گھٹیا اور بازارو ہو جاتا ہے۔ چیختے وقت حلق اور سینہ کے آخری دم تک کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کرخت لہجوں کا شور مائک کی طاقت سے اس قدر تیز ہو جاتا ہے کہ بہت سارے لوگوں کو کانوں پر انگلیاں رکھنا پڑ جاتی ہیں۔ اب تو ایسا لگنے لگا ہے کہ ہمارے یہاں جلسے نہیں چیخ وپکار کے عالمی مقابلے منعقد کیے جا رہے ہیں، بہ حیثیت مومن ہمیں اغیار سے بھی حکمت و دانائی، نرم گفتاری اور جدال احسن سے بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔ (النحل:125) اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف دعوت دین کا حکم ان لفظوں میں ملا:

"فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی۔ (سورہ: طہ 44) تو اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا ڈرے۔"

ذرا سوچیں! وہ لوگ جو ابھی دائرہ دین سے باہر ہیں، صاف اور کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ ان سے بھی بوقت گفتگو حکمت، نرمی اور جدال احسن اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ جب تک آپ اپنی بات سنا نہیں سکتے تب تک کسی نتیجے کی امید بھی نہیں کر سکتے۔

یہ عمل اسی وقت ممکن ہے کہ جب کوئی آپ کو سننے پر آمادہ ہو۔ اگر آپ جاتے ہی کسی کے منہ پر چلانے لگیں، بولتے وقت لال آنکھیں دکھائیں، منہ سے جھاگ اڑائیں تو کون انسان ہوگا جو آپ کی بات سننے کا روادار ہوگا!

بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیمؔ
بات کہنے کا سلیقہ چاہیے

آج کل تو خیر سے مائک بھی اتنے عمدہ آگیے ہیں کہ سوئی کے گرنے کی آواز بھی سنائی دے جائے، اس کے باوجود بھی آہ و بکا اور چیخ وپکار کی کیا ضرورت ہے؟ جب سکون کے ساتھ سامعین تک بات پہنچائی جا سکتی ہے تو خواہ مخواہ اپنے گلے اور سامعین کے کانوں کو تکلیف کس لیے؟

خطاب کا بنیادی مقصد عوام تک دین کی بات پہنچانا ہے۔ اس کے لیے حسن کلام، سلیقہ مندی اور انداز گفتگو کا کمال خطیب کی بات کو پرکشش بنا دیتا ہے، لیکن یہ تینوں ہی صفات علم وحلم اور تدبر سے آتی ہیں۔ بصورت دیگر انسان صرف لفاظی اور زبان درازی کرے گا، بولے گا مسلسل، مگر سمجھ کسی کو کچھ نہیں آئے گا، الفاظ معانی سے خالی ہوں گے۔ لہجے میں بناوٹ اور انداز میں خالص اداکاری نظر آئے گی۔ آواز کے زیر و بم سے وہ وقتی طور پر محفل سادھ سکتا ہے، لیکن کوئی پیغام نہیں پہنچا سکتا۔

ایسے زبان دراز خطیب اس چوپائے کی طرح ہوتے ہیں جو بے مطلب کی جُگالی کرتے ہوئے جبڑا ہلاتے رہتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"إنّ اللّٰهَ عزّ وجلّ يبغضُ البليغَ منَ الرِّجالِ، الّذي يتخلّلُ

* مضمون نگار ماہنامہ سواد اعظم دہلی کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

بلسانِہٖ کما تتخلّلَ البقرۃُ بلسانِہا۔ (ابو داود رقم الحدیث 5005) بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لسان اور چرب زبان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو اپنی زبان اس طرح چلاتے ہیں جس طرح گائے اپنی زبان سے چارہ چباتی ہے۔"

غور کریں! مذکورہ روایت میں زبان درازی اور چرب زبانی کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ چرب زبانوں کو گائے کے چارہ چبانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کیا ہمارے اسٹیجوں پر ایسے ہی لوگوں کی بہتات نہیں ہے؟ ایسے خطبا بھی ہمارے اسٹیجوں پر پائے جاتے ہیں جو حقیقتاً لفظوں کو چبا چبا کر بولتے ہیں۔ بولتے ہوئے دانت کٹ کٹانا ہی ان کا ٹریڈ مارک بنا ہوا ہے۔ ایک ہی بات کو بار بار دہرانا۔ ذرا سی بات کو کھینچ تان کر اس قدر لمبا کر دینا کہ "شب فرقت" کا طول بھی شرمندہ ہو جائے۔

درد دل پوچھ نہ مجھ سے کہ وہ باتونی ہوں
حرف ہو ایک تو سو طرح سے افسانہ کروں

یاد رکھیں! گفتگو میں تاثیر اور معترض کا جواب مدبرانہ گفت گو اور نرمی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ سلیقہ مندی سے کہی ہوئی بات مدمقابل کو ساکت بھی کرتی ہے اور اسے اپنی طرف مائل بھی کرتی ہے۔ کون سی بات کب کہاں کیسے کہی جاتی ہے یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے یقیناً ہر مجلس کی گفتگو کا اپنا الگ رنگ اور الگ تقاضے ہوتے ہیں۔ لیکن غیر فطری لہجہ کبھی بھی مفید اور نتیجہ خیز نہیں ہوتا، اگر وقت رہتے ہم نے اپنوں جلسوں کا قبلہ درست نہ کیا۔ انداز خطابت میں تبدیلی نہیں آئی۔

آگ اگلتے خطیبوں کی جگہ باشعور خطبا کو نہیں بڑھایا گیا تو مستقبل حال سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ ضرورت شخصیت اور سماج کی تعمیر کی ہے اور یہ کام شعلہ بیانی سے نہیں سوجھ بوجھ، سنجیدگی اور سمجھداری ہی سے ممکن ہے۔

اپنے لہجے کو بدلنے کی ضرورت ہے میاں
گفت گو آپ کی گل ریز بھی ہو سکتی ہے

□□□

ص ۵۳ / کا بقیہ ....

ان سے کیا عظمت اسلام کی عزت ہوگی
ماہ طیبہ کی جنہیں کوئی ادا یاد نہیں
اجملی حسن زمانہ میں ہوں کھویا کھویا تو نے
مطلع میں بیاں کیا جو کیا یاد نہیں

□□□

ص ۵۴ / کا بقیہ ....

اعلیٰ حضرت کا ہے کرم مجھ پر
سنی حنفی بریلوی ہوں میں
تیرے کہنے سے چھوڑ دوں پہچان
ایسا ویسا نہ آدمی ہوں میں
میں دعا بازیاں کروں کیوں کر
نہ وہابی نہ رافضی ہوں میں
خا کہائے وطن کی نسبت سے
ایک ہندی ہوں پورنوی ہوں
میں سب کو اچھا لگوں ضروری نہیں
بعض نظروں میں بدعتی ہوں میں
لوگ کہتے ہیں جو کہیں اے جسیم
سارے بہتان سے بری ہوں میں

□□□

جماعت رضائے مصطفیٰ

یہ اعلیٰ حضرت کی قائم فرمودہ ایک روشن تاریخ کی حامل جماعت ہے، جس کی نشاۃ ثانیہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں ہوئی۔

برادران اہل سنت اپنے اپنے علاقے میں اس کی شاخیں قائم کریں، اس عظیم جماعت کے ممبر بنیں اور مرکز سے جڑ کر اپنی ملّی و مذہبی خدمات انجام دیں اور کامیابیوں سے ہمکنار رہوں۔

مزید معلومات کیلئے 7055078621 پر رابطہ کریں۔

از: مفتی محمد صابر القادری فیضی*

حضرت خاتون جنت
کتاب حیات کے چند روشن اوراق

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب بیٹی تھیں، اہل سنت کی معتبر کتب کے مطابق، آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

ولادت کا سال اور وقت

اہل سنت کے مشہور قول کے مطابق، آپ کی ولادت بعثتِ نبوی سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوئی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً ۳۵ سال تھی) یہ وہ دور تھا جب قریش کعبہ کی تعمیر نو کر رہے تھے۔ بعض روایات میں بعثت کے بعد کا بھی ذکر ہے، لیکن اہل سنت کی مستند کتب میں مشہور یہی ہے کہ بعثت سے پہلے پانچ سال۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں (زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن) میں سب سے چھوٹی تھیں۔

آپ کا حسن و جمال ایسا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا، اور چال ڈھال، نشست و برخاست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تھی۔ مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب فاطمہ، حدیث نمبر ۳۷۶۷، ۶۲۸۵، ۶۲۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّة — فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۶۳۱۳ – ۶۳۱۴)

اسی فضیلت کی روایات۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر ۳۷۸۱ – ۳۸۷۲) القاب اور فضائل کا بیان۔ مستدرک حاکم اور سیر أعلام النبلاء (ذہبی، جلد ۲) میں بھی آپ کے القاب اور حسن کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل پر ایمان اور ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا بچپن اور ابتدائی زندگی کی سختیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کے ابتدائی دور کی تمام سختیاں دیکھیں اور کم عمری میں ہی اپنے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ کی پیدائش کے وقت مکہ مکرمہ میں اسلام کی ابتدا ہو رہی تھی اور قریش کے مشرکین مسلمانوں پر شدید ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کو مکہ میں کھلے عام ظلم کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیتیں دی جاتی تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب دیکھا اور اپنی کم سنی کے باوجود صبر اور وفاداری کا مظاہرہ کیا۔

ابتدائی بچپن اور اسلام کی ابتدا

آپ کی پیدائش کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً 35 سال تھی اور یہ بعثت سے پہلے کا دور تھا۔ جب بعثت ہوئی تو آپ تقریباً پانچ سال کی تھیں۔ آپ نے ابتدائی مسلمانوں میں سے اسلام قبول کیا اور اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بڑی بہنوں کے ساتھ اسلام کی ابتدائی سختیاں برداشت کیں، مکہ کے بائیکاٹ کے دور میں (جب بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا) آپ نے تین سال کی شدید مشکلات دیکھیں، جہاں کھانے پینے کی شدید قلت تھی اور لوگ پتے اور چمڑے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔

مستند حوالے: البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد 3، بعثت اور ابتدائی دور کی تفصیل میں شعب ابی طالب کے بائیکاٹ کا ذکر، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی مشکلات بیان کی

* مضمون نگار جامعہ عربیہ رحمانیہ، رحمٰن گنج ضلع بارہ بنکی کے سابق پرنسپل ہیں۔

گئی ہیں) سیرۃ النبی از ابن ہشام (جلد 1، ابتدائی دور کی سختیاں اور بائیکاٹ کا بیان) سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی (جلد 2، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں بچپن کی ابتداء کا ذکر)

مشہور واقعہ اونٹ کی اوجھڑی

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین میں سے ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی اونٹ کی اوجھڑی (انتڑیاں) لے آئے۔ عقبہ بن ابی معیط نے وہ گندی اور بدبودار اوجھڑی اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر ڈال دی جب آپ سجدے میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طول دیا اور وہاں موجود لوگ ہنس رہے تھے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جو کم سن تھیں، آئیں اور روتی ہوئیں اپنے والد کی کمر سے وہ گندگی ہٹائی اور دھوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے جانِ پدر! رومت، اللہ تیرے باپ کی مدد کرے گا۔"

یہ واقعہ آپ کی والد کے لیے محبت اور وفاداری کی اعلیٰ مثال ہے، مستند حوالے:۔ صحیح بخاری (کتاب الوضوء، حدیث نمبر 240 اور کتاب المغازی میں متعلقہ روایات) اونٹ کی اوجھڑی کے واقعہ کا بیان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحیح مسلم (حدیث نمبر 1794) اسی واقعہ کی تفصیل۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد 3، ابتدائی ظلم کے واقعات میں تفصیل)

والدہ کی وفات کے بعد کی ذمہ داریاں

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی (بعثت کے دسویں سال) تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف رہیں، ان کی دیکھ بھال کیں اور گھریلو امور سنبھالے۔ یہ وہ وقت تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عام الحزن" (غم کا سال) کہا جاتا ہے، کیونکہ اس سال آپ کے چچا ابو طالب اور بیوی خدیجہ کی وفات ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس غم میں اپنے والد کی تسلی کی اور ان کی خدمت کی۔ مستند حوالے: سیرۃ النبی از ابن ہشام (جلد 1، عام الحزن کا بیان اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کی تفصیل) الاصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی (جلد 4، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں بچپن کی خدمت کا ذکر) سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد 2، خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کی ذمہ داریوں کا بیان)

ہجرت مکہ سے مدینہ: ہجرت کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ہجرت کی اور مدینہ میں اپنے والد کی نگرانی کی۔ یہ ہجرت بھی مشکلات سے بھری تھی، جہاں مسلمانوں کو اپنا مال و متاع چھوڑ کر جانا پڑا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے نئی زندگی کی ابتدا کی، جہاں اسلام کی بنیاد مضبوط ہو رہی تھی۔ مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب الهجرة، حدیث نمبر 3906-3905) ہجرت کے واقعات کا بیان۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد 3، ہجرت کی تفصیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی ہجرت کا ذکر)۔ سیرۃ النبی از ابن ہشام (جلد 2، ہجرت کا باب)

یہ دور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صبر، وفاداری اور خدمت کی اعلیٰ مثال ہے، جو اہل سنت کی مستند کتب میں محفوظ ہے۔ آپ کی بچپن کی یہ سختیاں آپ کے کردار کو مزید مضبوط بناتی ہیں اور مسلمانوں کے لیے سبق ہیں کہ کم عمری میں بھی دین کی خاطر مشکلات برداشت کی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے خاص محبت اور فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے انتہائی گہری محبت فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی میں متعدد مواقع پر یہ محبت ظاہر ہوئی اور آپ نے متعدد احادیث میں ان کے بلند مقام اور فضائل بیان فرمائے۔

یہ فضائل اہل سنت کی مستند ترین کتب میں موجود ہیں، جو آپ کو دنیا اور آخرت کی عورتوں میں اعلیٰ مرتبہ عطا کرتے ہیں۔

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، مَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي۔ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے

مجھے ناراض کیا۔"

یہ حدیث آپ کی انتہائی قربت اور محبت کی سب سے واضح دلیل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خوشی اور ناراضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور ناراضی سے جڑی ہوئی ہے۔ مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب فاطمہ، حدیث نمبر 3714 اور 3767) الفاظ امام بخاری کے ہیں:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي۔" (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2449 اور متعلقہ ابواب میں)

اسی مفہوم کی روایات□ یہ حدیث متعدد دیگر کتب میں بھی آئی ہے جیسے مستدرک حاکم اور سیر أعلام النبلاء (ذہبی، جلد 2)

جنت کی عورتوں کی سردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

ایک روایت میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر خوش آمدید کہا، انہیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھایا اور سرگوشی کی۔ پہلی سرگوشی پر وہ رو پڑیں، دوسری پر ہنس پڑیں۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ پہلی سرگوشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی خبر دی اور تسلی دی، دوسری میں فرمایا:

" کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم ایمان والی عورتوں کی سردار ہو یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟"

اس پر وہ ہنس پڑیں۔ مستند حوالے: صحیح مسلم (کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر 6313) مکمل روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، جس میں "سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ" یا "سَيِّدَةُ نِسَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ" کا ذکر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب فاطمہ، حدیث نمبر 3767 اور متعلقہ) "فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ" کا بیان۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر 3781 اور 3872)

اسی فضیلت کی روایات - دنیا کی بہترین عورتوں میں شمار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی بہترین عورتیں چار ہیں: مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بعض روایات میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان میں سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ہاتھ پکڑتے اور بوسہ دیتے۔

مستند حوالے: (مستدرک حاکم، جلد 3، باب مناقب فاطمہ) چار بہترین عورتوں کا ذکر اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے (بخاری و مسلم کی شرط پر) سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد 2، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں) آپ کو "سیدۃ نساء العالمین" کہا گیا ہے۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (متعلقہ جلدوں میں فضائل کا بیان)

چال ڈھال میں مشابہت

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تھی اور جب وہ آتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر استقبال فرماتے۔ مستند حوالے: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے (حدیث نمبر 6313 صحیح مسلم میں تفصیل) یہ فضائل اور محبت کی احادیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بلند مقام کی روشن دلیل ہیں۔ اہل سنت کی کتب میں آپ کو دنیا اور جنت کی عورتوں کی سردار قرار دیا گیا ہے اور آپ کی ناراضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے مشروط ہے۔

یہ سب کچھ آپ کی پاکیزگی، عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل پر ایمان اور ان کی محبت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح اور گھریلو زندگی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے 2 ہجری میں ہوا۔ یہ نکاح مدینہ منورہ میں ہوا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی نگرانی فرمائی، نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ (لوہے کی زرہ) بیچ کر مہر ادا کیا، جو انتہائی سادگی کی علامت تھی۔ گھر کی حالت سادہ تھی لیکن آپ دونوں نے صبر، قناعت، محبت اور باہمی تعاون کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

نکاح کا وقت اور تفصیل

اہل سنت کی معتبر روایات کے مطابق، نکاح 2 ہجری میں ہوا (بعض اقوال میں رمضان، صفر، رجب یا غزوہ بدر کے بعد کا ذکر ہے، لیکن مشہور قول 2 ہجری ہے) رخصتی (شادی کی رات) ذی الحجہ یا ذی القعدہ میں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ بیچ کر (تقریباً 500-400 درہم) مہر ادا کیا اور اس رقم سے گھریلو ضروریات (جیسے چکی، مشکیزہ، چادر وغیرہ) خریدی گئیں۔ یہ مہر فاطمی کے نام سے مشہور ہے، جو سادگی اور قناعت کی مثال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں چند سادہ چیزیں دیں (جیسے چادر، مشکیزہ، تکیہ، چکیاں، گدہ وغیرہ) جو گھریلو ضرورت کے لیے تھیں۔

مستند حوالے: البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد متعلقہ، نکاح کا بیان) نکاح 2 ہجری میں اور زرہ کے مہر کا ذکر۔ سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی (جلد 2، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں) نکاح کی سادگی اور مہر کی تفصیل۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متعلقہ فضائل کی روایات (جیسے فاطمہ بضعۃ منی کی حدیث جو نکاح کے سیاق میں آتی ہے، حدیث نمبر 3714 بخاری میں) دیگر کتب جیسے الاستیعاب اور عمدۃ القاری میں بھی نکاح 2 ہجری کے بعد کا ذکر ہے۔

گھریلو زندگی اور باہمی تعاون

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھریلو کام خود کرتی تھیں (جیسے چکی پیسنا، پانی لانا، آٹا گوندھنا) جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر کے کام (جیسے جنگ یا معاشی کام) سنبھالتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھریلو کام میں تقسیم کرلو: حضرت فاطمہ اندر کے کام کریں گی اور حضرت علی باہر کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں بہترین جوڑے ہو۔ گھر میں انتہائی سادگی تھی، کبھی بھوک برداشت کی جاتی تھی، لیکن اللہ کی یاد اور عبادت جاری رہتی تھی۔

مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب النکاح اور فضائل میں متعلقہ روایات) گھریلو تقسیم کام کی روایت۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، گھریلو زندگی کی سادگی اور کام کی تقسیم کا بیان۔ سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد 2) آپ دونوں کی قناعت اور محبت کی مثال۔

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار اولاد عطا فرمائی: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ (جنت کے جوانوں کے سردار) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ (جنت کے جوانوں کے سردار) حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا۔ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو جنت کے نوجوانوں کے سردار قرار دیا۔

مستند حوالے: جامع ترمذی (حدیث نمبر 3768 اور متعلقہ) "الحسن والحسین سیّدا شباب أہل الجنۃ" (حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا۔ صحیح مسلم (متعلقہ ابواب میں حسن و حسین کے فضائل) صحیح بخاری (حدیث نمبر 3753) حسن و حسین کو دنیا کے پھول قرار دیا۔ یہ نکاح اور گھریلو زندگی مسلمان جوڑوں کے لیے کامل نمونہ ہے: سادگی، محنت، باہمی تعاون اور اللہ کی اطاعت۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ثابت کیا کہ حقیقی خوشی مال و متاع میں نہیں بلکہ ایمان اور محبت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی عبادت، زہد اور اخلاقی کمالات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی زہد (دنیا سے بے

* مترجم جامعۃ الرضا بریلی شریف کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث ہیں۔

رغبتی) شدید عبادت اور اعلیٰ اخلاق کی روشن مثال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا راتوں کو لمبی نمازیں ادا کرتیں، قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتیں اور اللہ کی یاد میں گزرتی تھیں۔ آپ کی زندگی انتہائی سادگی اور قناعت پر مبنی تھی، جہاں دنیاوی آسائشوں سے کنارہ کشی اور اللہ کی اطاعت پر مکمل توجہ تھی۔

عبادت اور رات کی نماز

آپ رضی اللہ عنہا راتوں کو لمبی نمازیں پڑھتی تھیں اور عبادت میں اتنی مصروف رہتیں کہ بعض روایات میں ذکر ہے کہ آپ کی نماز کی وجہ سے پاؤں میں ورم آجاتا تھا۔ آپ کی عبادت کا یہ شدت کا اظہار ہے کہ آپ رات بھر اللہ کی یاد میں گزاریں۔ ایک روایت میں آپ کی شدید عبادت اور ریاضت کا تذکرہ ہے کہ آپ روزانہ کی نمازوں کے علاوہ نوافل اور تہجد میں بہت وقت گزارتی تھیں۔ آپ کی زندگی میں عبادت اتنی مرکزی تھی کہ یہ آپ کے کردار کی بنیاد تھی۔

مستند حوالے: سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی (جلد 2، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں) آپ کی عبادت اور رات کی نماز کا بیان۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (متعلقہ جلدوں میں زہد اور عبادت کا تذکرہ) دیگر اہل سنت کی کتب میں آپ کی ریاضت اور نماز کی کثرت کا ذکر ملتا ہے، جیسے آپ کی زندگی کی سادگی اور اللہ کی یاد میں گزرنے والے اوقات۔

زہد اور قناعت

آپ رضی اللہ عنہا دنیاوی چیزوں سے بے نیاز تھیں، گھریلو کام (جیسے چکی پیسنا، پانی لانا) خود کرتی تھیں، حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ آپ نے دنیا کی آسائشوں کو ترک کر کے اللہ کی رضا کو ترجیح دی۔ آپ کی زندگی میں زہد کی انتہا تھی کہ آپ نے مال و متاع کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ آخرت کی فکر میں رہیں۔ آپ کو "بتول" کا لقب بھی اسی وجہ سے ملا کہ آپ دنیا سے منقطع اور پاکیزہ تھیں۔

مستند حوالے: سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد 2) آپ کے زہد، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا تفصیلی بیان۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، آپ کی سادگی اور زہد کی مثالوں کا ذکر۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کے فضائل کی روایات جو زہد کی طرف اشارہ کرتی ہیں (جیسے آپ کی زندگی کی سادگی)

اخلاقی کمالات اور پڑوسیوں کی خیرخواہی

آپ رضی اللہ عنہا کا اخلاق انتہائی بلند تھا، آپ اکثر دوسروں (خاص طور پر پڑوسیوں) کے لیے دعا کرتی تھیں اور اپنے لیے کم۔ ایک روایت میں آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ "پہلے پڑوسی ہے، پھر گھر" یعنی پڑوسیوں کا حق پہلے ہے، آپ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں اور مومنین و مومنات (خاص طور پر پڑوسیوں) کے نام لے کر دعا کرتیں، لیکن اپنے لیے دعا کم کرتی تھیں، یہ آپ کی دوسروں کی خیرخواہی اور اخلاق کی اعلیٰ مثال ہے، آپ نے عورتوں کو دینی احکام سکھائے، فقہی مسائل بیان کیے اور علم کی اہمیت پر زور دیا۔

مستند حوالے: سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد 2) پڑوسیوں کے لیے دعا اور اخلاقی کمالات کا بیان۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، آپ کی خیرخواہی اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا تذکرہ۔ اہل سنت کی کتب میں آپ کی اخلاقی خوبیوں کا ذکر، جیسے صبر، شفقت اور دوسروں کی مدد۔ یہ کمالات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مسلمان خواتین کے لیے کامل اسوہ بناتے ہیں۔ آپ کی زندگی عبادت، زہد اور اخلاق کی ایسی مثال ہے جو ہر مسلمان عورت کے لیے مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات اور آخری ایام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۱۱ ہجری، ۱۲ ربیع الاوّل) کے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ اہل سنت کی معتبر روایات کے مطابق، آپ کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی (بعض روایات میں ۳ جمادی الثانی کا بھی ذکر ہے، لیکن رمضان کا قول زیادہ مشہور ہے) آپ کی عمر تقریباً ۱۸ سال تھی (بعض اقوال میں ۲۸ سال تک کا بھی ذکر ہے، لیکن اہل سنت کی مستند کتب میں کم عمری غالب ہے)

آخری ایام اورغم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ شدید غم میں مبتلا رہیں، آپ اکثر روتی رہیں، کبھی تبسم نہیں فرماتی تھیں اور گھر میں تنہائی اختیار کرلی تھیں۔ آپ کا غم اتنا شدید تھا کہ اسے آپ کی وفات کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں بیان ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں اور اس دوران آپ کا غم جاری رہا۔ ایک روایت میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ سب سے پہلے ان کے پاس آئیں گی، جو آپ کے لیے تسلی کا باعث تھا لیکن وفات کے بعد کا غم بہت شدید تھا۔

مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ، حدیث نمبر ۴۴۳۲ اور متعلقہ) آپ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ بعد کا بیان۔ صحیح مسلم (کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر ۶۳۱۳) عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آپ کی سرگوشی اور وفات کا ذکر، جہاں آپ نے فرمایا کہ آپ سب سے پہلے آئیں گی۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد ۶، صفحہ ۳۶۷ اور متعلقہ) سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی (جلد ۲، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں) آخری ایام میں غم اور روتی رہنے کا تفصیلی بیان۔

وفات کا سبب

اہل سنت کی کتب میں آپ کی وفات کو غم رسول (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غم) کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے، آپ نے والد کی جدائی کا صدمہ برداشت کیا، جو آپ کی کم عمری میں شدید تھا۔

وصیت اور تدفین

آپ نے وصیت کی کہ جنازہ رات کو اٹھایا جائے اور دفن بقیع میں کیا جائے۔ آپ کی وصیت کے مطابق رات کی تاریکی میں جنازہ اٹھایا گیا اور دفن کیا گیا۔ روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو رات کو دفن کیا، بعض روایات میں نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی کا ذکر ہے (اہل سنت میں مختلف اقوال ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ رات کی تدفین وصیت کے مطابق ہوئی) آپ کی قبر جنت البقیع میں ہے، جو آج بھی موجود ہے۔

مستند حوالے: صحیح بخاری (کتاب المغازی، حدیث نمبر ۴۲۴۰ اور متعلقہ) آپ کی وفات کے بعد رات کو دفن اور اطلاع نہ دینے کا بیان (شارحین نے وضاحت کی کہ یہ وصیت کی وجہ سے تھا) البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد ۶) وفات، وصیت اور رات کی تدفین کا تفصیلی ذکر۔ سیر أعلام النبلاء از ذہبی (جلد ۲) آپ کی وصیت اور تدفین کی تفصیل۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ آپ کی زندگی مختصر مگر پاکیزگی، عبادت، صبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی اعلیٰ مثال تھی۔ آپ کی سیرت مسلمان خواتین کے لیے کامل اسوہ ہے، جو ہمیں ایمان، زہد اور اطاعت کی تلقین کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صدقے ہمارے گناہ معاف فرمائے، آمین۔

□□□

جماعت رضائے مصطفیٰ
یہ اعلیٰ حضرت کی قائم فرمودہ ایک روشن تاریخ کی حامل جماعت ہے، جس کی نشاۃ ثانیہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں ہوئی۔
برادران اہل سنت اپنے اپنے علاقے میں اس کی شاخیں قائم کریں، اس عظیم جماعت کے ممبر بنیں اور مرکز سے جڑ کر اپنی ملّی و مذہب خدمات انجام دیں اور کامیابیوں سے ہمکنار رہوں۔
مزید معلومات کیلئے 7055078621 پر رابطہ کریں۔

از: مولانا انصار احمد مصباحی*

تصانیف حضور تاج الشریعہ کا تجزیاتی مطالعہ

حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اسماعیل عرف اختر رضا خان بریلوی (علیہ الرحمہ) علمی دنیا کا بڑا نام ہے، جو "تاج الشریعہ" اور "ازہری میاں" کے القاب سے دنیا بھر میں یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کی ذات ہمہ جہت اور شخصیت گونا گوں خوبیوں سے تعبیر تھی۔ آپ "ذات میں انجمن ہونے" کے محاورے کا سراپا آئینہ تھے۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ اہل سنت کی اتھارٹی شخصیت کے مالک تھے، وہ عالمی مبلغ اسلام، عصر حاضر کے بڑے مرشد طریقت، قاضی اسلام، عظیم مصلح، نقاد، بہترین خطیب، چہار لسانی ادیب، فطری شاعر، عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب مصنف بھی تھے۔

علامہ ازہری میاں علیہ الرحمہ کی تمام کتابوں میں اختصار و جامعیت، سلاست وروانی، دل کشی وجاذبیت اور تحقیق کی ساری خوبیاں اعلیٰ درجے میں پائی جاتی ہیں، فصاحت کا یہ عالم کہ مشمولات کا لفظ لفظ موتی ہوتا ہے، جس فن یا عنوان پر لکھتے ہیں، اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ آپ کی جاذب اور دل ربا سیرت و شخصیت اور محققانہ وعالمانہ تصانیف، مولفات اور تراجم نے نسل نو پر ایک اثر مرتب کیا ہے۔

ان کے خاندان کی ایک خاصیت رہی ہے کہ پچھلی دو صدیوں سے یہ سب سے ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے، امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ وقت کے سب سے عظیم فقیہ اور عالم تھے؛ امام احمد رضا خان کے صاحب زادے اور تاج الشریعہ کے مرشد و مربی کا لقب ہی "مفتی اعظم عالم" تھا؛ جارڈن کی انسانی اعداد شمار کے تعلق سے مشہور تنظیم "Royal Islamic Strategic Studies Centre" نے حضور ازہری میاں علیہ الرحمہ کو موجودہ وقت کا سب سے بڑا مفتی اور دنیا کا بائیسواں با اثر مسلم شخصیت قرار دیا تھا اور صاف لفظوں میں لکھا تھا: "South Asia (دکھن ایشیا) میں ان کے فالوورس (متبعین) کی تعداد 200 ملین [20 کروڑ] سے زائد ہیں" مشہور ندوی عالم اور کئی کتابوں کے مصنف ڈاکٹر ہارون ندوی نے اپنے چینل پر اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ "حضور تاج الشریعہ اعلیٰ حضرت کے بعد دنیا کے دوسرے سب سے زیادہ علم رکھنے والے شخص تھے"

فقہ وافتا، تدریس اور بیعت وارشاد آپ کے اصل میدان تھے۔ آپ نے عمر کا ابتدائی حصہ تحصیل علم میں صرف کیا، اخیر میں روحانیات غالب رہی۔ جو کچھ لکھے ضرورتاً لکھے، زیادہ تر ایک خاص مدت میں لکھے؛ لیکن ایسا لکھے کہ پھر ضرورت تشنہ کام نہ رہی۔ وہ ایک مصنف تھے، کتابوں کی فہرست بڑھا کر دھونس جمانے والے لکھاری نہیں تھے، وارث علوم اعلیٰ حضرت تھے، انھوں نے جو بھی لکھا، لاجواب لکھا۔

تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ

"ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" لکھ کر ہمیں بتایا کہ اسلام اور فروغ اسلام میں واقعہ ہجرت کا کتنا بڑا کردار ہے، کیسے بے سروسامان مہاجرین دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوگئے! "جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تاریخ اسلام پر دقت نظر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے "نغمات اختر" آج بھی عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت وسکون کا سامان فراہم کر رہی ہے، سوز وگداز عطا کر رہی ہے، آداب عشق سکھا رہی ہے "سنو! چپ رہو" سے قرآن کریم، تلاوت کلام پاک کی عظمت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ تلاوت قرآن کریم کے وقت خاموشی اختیار کرنا اور دوران تلاوت زبان سے کوئی بھی لفظ نہ نکالنا ضروری ہے۔

"کیا دین کی مہم پوری ہو چکی؟" اور "آثار قیامت" لکھ کر

عوام کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی، ان کی کوتاہیوں پر مہمیز کیے؛ "تصویروں کا شرعی حکم" تالیف فرما کر مسلمانوں کو بتایا کہ جاندار کی دستی، عکسی، معظم وغیر معظم ہر طرح کی تصویر حرام ہے، پھر اس فتوے پر ایسی استقامت برتی کہ اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اور آج تک محسوس ہو رہے ہیں۔

"الحق المبین" لکھ کر فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیے گئے چند جاہلانہ اعتراضات کا ایسا علمی اور دندان شکن جواب دیا کہ مخالفین اپنا سا منہ لے کے رہ گئے "ٹائی کا مسئلہ" لکھ کر یہ بتایا کہ "ٹائی" صلیب کی علامت (The sign of the Cross) اور عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے، اسلام میں اس کے جواز کی کوئی گنجایش موجود نہیں۔ اس فتوے کا یہ اثر ہوا کہ بڑے بڑوں نے گلوں سے پھانسی کا یہ پھندا اتار پھینکا۔

اسی طرح "الصحابۃ نجوم الاہتداء" اور "تحقیق انّ ابا سیّدنا ابراہیم علیہ السلام (تارح) لا (آزر)" تصنیف فرمائی تو دنیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی "جامعۃ الازہر" کے کئی اساتذہ اپنی موقف تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے؛ قصیدہ بردہ شریف کی شرح لکھنے پر آئے تو "الفردۃ فی شرح البردۃ" لکھ کر جدید عربی ادب کی بکھری زلفیں سنوار دیں، نکات کے ایسے سوتے پھوٹے کہ علمائے عرب، حیرت سے دانتوں تلے انگلیاں دبا کر رہ گئے؛ مداریوں کی رد میں فتویٰ لکھا تو ان کے گندے اور کفریہ عقائد اتنے محققانہ انداز میں طشت از بام کیے کہ پھر انہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ ملی، انہیں پھر کوئی منہ نہ لگایا؛

حضرت ازہری میاں علیہ الرحمہ کی "اسمائے سورہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ" نے یہ ثابت کر دیا کہ موجودہ وقت میں، فقہ کے ساتھ ساتھ علم تفسیر کا تاج بھی آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ میں نے علامہ سید محمد طنطاوی (سابق شیخ جامعۃ الازہر، مصر) کی "التفسیر الوسیط" پڑھی ہے، اسمائے سورہ فاتحہ اور ان کے وجوہ تسمیہ کو پہلے دوسرے صفحے میں ہی ذکر فرمایا ہے۔ میں وثوق سے کہ سکتا ہوں کہ اس مقام پر ان کا قد تاج الشریعہ سے کہیں بھی اونچا نہیں ہے۔

آپ نے "القول الفائق" لکھ کر یہ بتایا کہ فاسق بالخصوص بے ریش کی اقتدا سے اپنی نمازیں کیسے بچائی جائیں" "ٹی وی اور ویڈیو کا آپریشن" لکھا تو ایسی منفرد تحقیق پیش فرمائی کہ جواز کے کئی قائل آپ کی شاہ کار تحقیق پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیے "دفاع کنز الایمان" تصنیف فرما کر اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کا شاندار دفاع کیا اور ایسا کیا کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہی۔

"شدّ المشارع" لکھ کر ایک باطل نظریہ (اسلام کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت نہیں) کی دھجیاں اڑا دی "نہایۃ الزین فی التخفیف عن ابی لہب یوم الاثنین" لکھ کر ثابت کیا کہ یہ سچ ہے کہ ولادت رسول ﷺ کی خبر سن کر اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کرنے کی برکت سے پیر کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے "تین طلاق کا شرعی حکم" لکھ کر ایک نشست میں تین طلاق کے وقوع کے مخالفین کو دندان شکن جواب دیا۔

ایشیا کے عظیم مصنف اور اسلامی اسکالر، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمہ) کی مفید عام اور علمی کتابوں کا فصیح ترجمہ کر کے چہار دانگ میں پھیلایا۔ ترجمہ نگاری کے فن میں مہارت کو دیکھنے کے لئے نمونے میں بس "المعتقد المنتقد" ہی کافی ہے۔

جنھیں حضور تاج الشریعہ کے علم و فن، گہرائی و گیرائی، دقت نظر، کمال احتیاط اور زبان و بیان کی سلاست و روانی کا کچھ اندازہ لگانا ہو، وہ شایع شدہ فتاوی پڑھے، خود کو کاسہ لے کر، علم و معرفت کے ایک سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے محوس کریں گے۔

یہ تو نثر تھا، نظم کی بات کریں تو اس میدان کے بھی شہسوار نظر آتے ہیں۔ اس عنوان پر ادبی بحث ہوتے رہتے ہیں کہ شعر کہنا مشکل ہے یا نثر نگاری؟ لیکن اس بات پر سبھی متفق نظر آتے ہیں کہ دونوں میں کمال حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ علامہ اختر رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے دونوں میں نہ صرف کمال حاصل کیا؛ بلکہ اسے بخوبی برتا بھی ہے۔

ان کا ہم سے جدا ہوئے دو سال کا عرصہ بیت گیا، خلا اب بھی باقی ہے، کسک تازہ ہے، دنیا ابھی بھی کوئی بقیہ ص ۲۳ پر

عرسِ تاج الشریعہ

مقصدِ حاضری اور تقاضائے اتباع

(از: حافظ افتخار احمد قادری*

اسلامی تاریخ کے افق پر جب ہم ان نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنے علم، عمل، تقویٰ، استقامت اور عشقِ رسول ﷺ کی بدولت امت کے قلوب و اذہان کو منور کیا تو دل بے اختیار ادب و عقیدت سے جھک جاتا ہے۔

یہ وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو اپنے زمانے کی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کی بھی رہنما بن جاتی ہیں، جن کے افکار چراغِ راہ، تعلیمات مینارِ نور اور زندگیاں کامل نمونہ حیات بن جاتی ہیں، انہی برگزیدہ اور جلیل القدر شخصیات میں ایک عظیم المرتبت نام جانشین حضرت مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری کا ہے جنہیں دنیا تاج الشریعہ کے لقب سے جانتی ہے اور حقیقتاً آپ شریعتِ مطہرہ کے تاجدار، مسلکِ اہلِ سنت کے پاسبان اور عشقِ رسول ﷺ کے سچے علمبردار تھے۔ جب آپ کے ماہِ عرس کی آمد ہوتی ہے تو بریلی شریف کی فضائیں نور و نکہت سے معطر ہو جاتی ہیں۔

عاشقانِ رسول ﷺ کا ایک سمندر موجزن ہو جاتا ہے، جہاں ہر آنکھ اشک بار، ہر دل مضطرب اور ہر زبان درود و سلام سے تر ہوتی ہے، یہ منظر بلاشبہ ایمان افروز اور روح پرور ہوتا ہے مگر اسی مقام پر ایک نہایت اہم، سنجیدہ اور فکر انگیز سوال سر اٹھاتا ہے کہ اس عرس مبارک میں حاضری کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ ایک جذباتی وابستگی کا اظہار ہے یا اس کے پس پردہ کوئی گہرا پیغام، عظیم مقصد اور کوئی عملی تقاضا بھی مضمر ہے؟

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ آج کا ایک بڑا طبقہ عرس جیسے مقدس اور روحانی اجتماع کو صرف ایک رسم و روایت اور ایک وقتی جوش و خروش کا ذریعہ سمجھ بیٹھا ہے۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے حاضری تو دیتے ہیں، مزار پر حاضری، فاتحہ، درود و سلام اور دیگر معمولات میں شریک بھی ہوتے ہیں مگر جب واپس لوٹتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی، کوئی فکری انقلاب اور کوئی عملی اصلاح نظر نہیں آتی، گویا عرس کی روح کہیں کھو گئی اور صرف اس کا ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا، یہ طرزِ عمل درحقیقت عرس کے حقیقی مفہوم سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

عرس کا لفظ خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ وصالِ محبوب کا دن ہے، وہ دن جب ایک بندہ مومن اپنے رب کے حضور حاضر ہوا۔ یہ دن دراصل اس ہستی کی تعلیمات، اس کے مشن، اس کے افکار اور اس کے نقشِ قدم کو یاد کرنے اور اپنی زندگی میں اپنانے کا دن ہوتا ہے۔ مگر جب یہ شعور مفقود ہو جائے تو عرس صرف ایک اجتماع بن کر رہ جاتا ہے جس کا کوئی دیرپا اثر انسان کی زندگی پر مرتب نہیں ہوتا۔

جانشین حضور مفتی اعظم ہند اور سرکار اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس سچے فرزند اور علمی و روحانی وارث حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمہ کی پوری زندگی شریعت کی پاسداری، سنت کی اتباع اور عقیدہ اہلِ سنت کے تحفظ میں گزری۔ آپ کی ہر ادا سنت کے مطابق، ہر فیصلہ شریعت کے مطابق اور ہر قدم رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہوتا تھا۔

آپ نے کبھی دین کے معاملے میں مصلحت، خوف یا دنیاوی مفاد کو آڑے نہیں آنے دیا۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو آپ کو دیگر لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں اور یہی وہ خصوصیات ہیں جو ہمیں اپنی زندگی میں پیدا کرنی چاہئیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب ہم عرس میں شرکت کرتے ہیں تو کیا ہم ان اوصاف کو اپنانے کا عزم لے کر آتے ہیں؟ کیا ہم اپنی عملی زندگی میں کوئی تبدیلی لانے کا ارادہ کرتے ہیں؟ کیا ہم اپنے عقائد کی اصلاح، اپنی عبادات کی

ازہریات

* مضمون نگار کریم گنج، پورن پور، ضلع پیلی بھیت، یوپی کے متوطن ہیں۔

درستگی اور اپنے اخلاق کی بہتری کے لیے سنجیدہ ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہماری حاضری صرف ایک رسمی عمل ہے جس کا کوئی حقیقی فائدہ نہیں۔ عرس تاج الشریعہ علیہ الرحمہ میں شرکت کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں۔

ہم دیکھیں کہ ہماری زندگی کس حد تک شریعت کے مطابق ہے، ہم سنت نبوی ﷺ پر کس قدر عمل پیرا ہیں اور ہم اپنے عقائد میں کتنے مضبوط ہیں۔ ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم نے اپنی زندگی میں حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی تعلیمات کو کس حد تک اپنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرس ایک روحانی تربیت گاہ ہے، ایک ایسا موقع ہے جہاں انسان کو اپنی اصلاح کا موقع ملتا ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس موقع کو سنجیدگی سے لیں، اسے ایک روایت نہ سمجھیں بلکہ ایک ذمہ داری تصور کریں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم عرس میں شرکت سے پہلے اپنے دل کو تیار کریں، اپنی نیت کو درست کریں اور یہ عزم لے کر جائیں کہ ہم وہاں سے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ بدقسمتی سے آج کے دور میں ظاہر پرستی نے باطن کی حقیقت کو دھندلا دیا ہے۔ لوگ عرس میں شرکت کو اپنی عقیدت کا ثبوت سمجھتے ہیں مگر اصل عقیدت تو اتباع میں ہے، عمل میں ہے، کردار میں ہے۔

اگر ہماری زندگی حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی تعلیمات کے خلاف ہو اور ہم صرف عرس میں شرکت کر کے خود کو ان کا سچا عقیدت مند سمجھیں تو یہ خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم عرس کے مفہوم کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ ہم وہاں جائیں تو اس نیت کے ساتھ جائیں کہ ہم اپنے اندر تبدیلی لائیں گے، ہم اپنے اعمال کی اصلاح کریں گے، ہم شریعت کے پابند بنیں گے اور سنت رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں گے، ہم وہاں سے صرف تبرکات نہ لائیں بلکہ ایک نئی سوچ، ایک نیا عزم اور ایک نئی روحانی کیفیت لے کر واپس آئیں۔

یاد رکھیں کہ بزرگانِ دین کی محبت کا تقاضا صرف یہ نہیں کہ ہم ان کے مزارات پر حاضری دیں بلکہ یہ ہے کہ ہم ان کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ یہی اصل عقیدت ہے، یہی اصل محبت ہے اور یہی عرس کا حقیقی مقصد ہے، اگر ہم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تو ہمارا عرس میں جانا ہماری زندگی کا رخ بدل سکتا ہے، ہماری سوچ کو بدل سکتا ہے اور ہمارے کردار کو سنوار سکتا ہے۔ ورنہ ہم ہر سال عرس میں جاتے رہیں گے، حاضری دیتے رہیں گے، مگر ہماری زندگی ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔

لہٰذا آئیے ہم عہد کریں کہ اس مرتبہ جب ہم عرسِ تاج الشریعہ میں شرکت کریں گے تو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سچے طالبِ اصلاح کی حیثیت سے جائیں گے، ہم وہاں سے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے، ہم اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کریں گے اور ہم اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عرسِ تاج الشریعہ کی حقیقی روح کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے، آمین یارب العالمین۔

□□□

دوست واحباب کو ترغیب دیں

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنے تأثرات ضرور لکھیں، آپ کے تأثرات ماہنامہ سنی دنیا کے صفحات کی زینت بنیں گے۔

کیا آپ نے اپنے دوست واحباب سے سنی دنیا کے تعلق سے اپنے تأثرات کا اظہار کیا؟ اگر نہیں تو ضرور بتائیں اور انھیں ماہنامے کا ممبر بننے کی ترغیب بھی دیں، یہ دینی و دنیوی معلومات کا بے مثل خزانہ اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کا ترجمان ہے۔

اگر آپ کاروباری ہیں تو رسالہ میں اس کا اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

(از: محمد معین رضا رضوی*)

کتابوں کے جانثار

دنیا میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن سے ہم کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ملتا ہے اور جن سے ہم کو بہت ساری معلومات حاصل ہوتی ہیں انہی میں سے ایک بہت اہم بلکہ اس کے بنا نہ ہم کچھ جان سکتے ہیں نہ کچھ پہچان سکتے ہیں، میری مراد کتاب ہے، یقیناً ہمارے علم کا پورا دار و مدار اسی پر ہے کتاب جو نہ صرف ہمیں علم سے مالا مال کرتی ہے بلکہ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے قیمتی لفظوں سے بہت ساری باتیں سکھا دیتی ہے۔

کتابوں کو پڑھنے کے بعد آدمی کم پڑھے لکھے لوگوں کے روبرو ہوتا ہے تو اُس کے نورِ علم سے باقی سب کے قلوب بھی منور ومجلیٰ ہوجاتے ہیں۔ آپ سوچیں ہم اگر اسکولوں کالجوں میں یا اور کوئی تعلیم گاہوں پر جاتے ہیں تو ہمیں وہاں پر اسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر جس مقصد سے گئے وہ مقصد پائے تکمیل تک نہیں پہنچتا، ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں ؎

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اس شعر سے اندازہ ہو رہا ہے کہ انسان جب تک کتاب کی روح تک نہیں پہنچے گا اُسے حکمت وعلوم کے لعل وگہر حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس لیے کتاب خوانی اُسے کرتے رہنا چاہئے۔

بزرگانِ دین اور محبت کتاب چند واقعات

امام ابوالفضل عبدالرحمٰن ابن احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''یہ اوراق یعنی کتابیں میری اولاد کے برابر ہے۔'' امام ابن جوزی علیہ الرحمہ کے پاس دو گھر تھے ایک میں رہائش پذیر تھے اور دوسرا کرایہ پر دیا ہوا تھا پھر آپ نے دونوں کو بیچ کر کتب خرید لیے۔ شیخ احمد قاسم نے بازار میں کتاب بکتے دیکھی تو اپنے کپڑے بیچ کر کتاب خرید لی، حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مجھ سے کتابوں کی صندوقیں ضائع ہوگئی ہیں جو مجھے اہل اموال سے زیادہ عزیز تھیں۔ (کتابوں کے عاشق)

کتاب اور علم بہترین میراث ہیں کہ وہ وراثت ہے جس میں تفریق نہیں اور وہ خزانہ ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں، کوئی حاسد حیلہ سازی کر کے چھین نہیں سکتا کوئی چور چرا نہیں سکتا اور کوئی پڑوسی دعویٰ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی جھگڑ کر کے اپنا حق جتا سکتا ہے۔ (عشاق الکتب ص:۵۶)

جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہمارے اسلاف، علمائے کرام نے کتابی محبت کو فروغ دینے میں یقیناً قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ ہر زمانے میں بہت ساری کتابیں لکھی گئیں، اب تک وہ سلسلہ جاری وساری ہے ابھی وہ دور نہیں آیا کہ کتاب پڑھنے والے کم ہوگئے ہوں۔ جیسا کہ ایک کتاب میں درج ہے ''کتاب اپنے پڑھنے والے کو اصحاب علم وفضل کی صف میں شامل کرتی ہے اور اپنے مصنف ومؤلف کو سب پر مقدم رکھتی ہے۔

مطالعہ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے

"فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ- (سورۂ توبہ:۱۲۲) ترجمہ کیوں نہیں کہ ان کے ایک گروہ میں سے ایک جماعت نکلے گی دین کی سمجھ حاصل کرے۔"

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند مفسر قرآن فیض ملّت حضرت علامہ مولانا مفتی فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں ''اس آیت میں علم دین کے حصول کی نہ صرف ترغیب وتحریص (لالچ) دلاتی بلکہ اس کے سمجھنے کے لیے بھی ارشاد ہو رہا ہے اور مطالعہ کتب کے بغیر دین کی سمجھ خاک

*مضمون نگار مدرسۂ اہل سنت ناسک مہاراشٹر، انڈیا کے طالب علم ہیں۔

حاصل ہوگی، لامحالہ (یقیناً) اس سے کتب بینی کی تحریص (لالچ) وترغیب بھی ہے۔سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے ''علم کا ایک باب حاصل کرنا ۱۰۰ رکعت پڑھنے سے بہتر ہے اور آگے ارشاد فرمایا''علم کا ایک باب حاصل کرنا دنیا ومافیھا سے بہتر ہے۔ (تفسیر اویسی)

اسلاف کا ذوق مطالعہ اور کتابوں سے لگن

حضرت محمد عبداللہ ابن خشاب النحوی کے شاگرد کہتے ہیں ''میں اپنے استاد کی عیادت کرنے گیا تو دیکھا کہ کتاب ان کے سینے پر تھی اور وہ مطالعے میں مگن تھے۔ ابولعلاء حسن ابن احمد ابن سھل ھمزانی نے والد (ان کے والد اپنے وقت کے بہت بڑے تاجر تھے) سے ملنے والی وراثت کو تحصیل علم میں خرچ کر دیا اور بغداد سے خراسان تک سفر میں کتابیں کاندھے پر اُٹھائے چلتے تھے۔ آپ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا کہ ایک ایسے شہر میں ہیں جس کی تمام دیواریں کتابوں کی ہیں اور ان کے اردگرد کتب جمع ہے اور وہ مطالعہ میں مشغول ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کتب کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے مرنے کے بعد اسی کام میں مشغول رکھے جس کام کو دنیا میں کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف عطا فرمایا۔ (کتابوں کے عاشق)

کتاب علم دین حاصل کرنے فائدہ اٹھانے کا بہت نفع بخش ذریعہ ہے، کتابیں وہ بہتا ہوا سمندر ہے جس میں انگنت علوم وفنون بہتے نظر آرہے ہیں۔ جب کوئی صاحب علم کسی مسئلے میں الجھ جاتا ہے تو کتابوں کا ہی رُخ کرتا ہے اور کتاب اُس کی عقد کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

جب وہ کتاب کے صفحات کا مطالعہ کرتا ہے تو کتاب اس کا ساتھ دے کر اس کی علمی پیاس بجھاتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا بزرگانِ دین کے متعلق چند واقعات ملاحظہ کیے۔ آج دنیا میں جدید سہولیات کی وجہ سے کتابیں حاصل کرنا اور مطالعہ میں لانا کوئی مشکل فعل (کام) نہیں بلکہ سہل (آسان) ہو چکا ہے۔

اہل علم کی شان

لغت میں علم جہالت کی ضد ہے اور اس سے مراد کسی چیز کو اس کی اصل حقیقت پر مکمل طور پر پالینا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی چیز کے سہارے عقل انسانی کو سمجھنے کی قوت عطا کی ہے۔ ویسے ہی علم کو کتاب کے بغیر سمجھنا بہت مشکل کام ہے، خالق کل نے اشرف المخلوقات کو جہاں بڑی بڑی عظیم نعمتوں سے نوازا ہیں اسی میں علم اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ علم کے حصول کی اور دیگر صورتیں بھی ہیں۔ لیکن اصل معنوں میں اگر دیکھا جائے تو انسان کو علم حاصل کرنے میں کتابیں ہی اس کا ہتھیار ہوتی ہیں۔

ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے کتاب خریدی اس سے کہا گیا آپ نے وہ چیز خریدی جس کا آپ کو علم نہیں ہے، اس نے کہا میں نے غیر معلوم چیز اسی لیے خریدی تاکہ میری معلومات میں اضافہ ہوجائے۔ بعض قاضی (جج) قرض کے بدلے کتب خریدتے تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ''میں وہ شئے کیوں نہ خریدوں جس کی بدولت مجھے یہ مقام ملا ہے، پھر پوچھا گیا کہ تم اپنے مقام میں ترقی چاہتے ہو تو کہا، جتنا بڑا پیشہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کے متعلق آلات کی ضرورت بھی اتنی زیادہ پڑتی ہے۔ (تقیید العلم ص:۱۳۷)

دیکھا آپ نے کہ اس شخص نے کتاب سے پیار محبت کا پورا حق ادا کیا اور کتاب کی عزت کو دوبالا کیا۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ علم پیشہ اور کتاب ہتھیار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو ہمارے اسلاف، بزرگان، دین، علمائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور جیسے ان کو کتاب سے محبت تھی ہم کو بھی کتابوں سے ویسی ہی محبت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، ان کے مطالعہ کے صدقے ہم کو بھی کتاب کا مطالعہ سوچ سمجھ کر کرنے کی قوت بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

سیف ہو اِک ہاتھ میں اِک ہاتھ میں کاغذ قلم
دُور ہوں تعلیم سے اس قوم کے درد واَلم

تصنیف: امام فقیہ ابواللیث نصر ابن محمد سمرقندی
ترجمہ: علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی*

فکر آخرت

اکتالیسویں قسط

گزشتہ سے پیوستہ

کبھی ماں باپ کی راحت رسانی جہاد سے بھی افضل

استدلال: (فقیہ یعنی مصنف رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں) خبر مذکور میں دلیل ہے اس بات پر کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے موصوف صحابی کو حکم دیا جہاد میں جانا چھوڑ اور ماں باپ کی راحت رسانی کے کام میں مشغول رہ۔

مسئلہ: اور ہم احناف اس حدیث شریف نیز دیگر نصوص کی روشنی میں بالکل اسی طرح کہتے ہیں (یعنی فقہ حنفی کا مسئلہ بالکل اس حدیث شریف کے موافق ہے) کہ آدمی کو جہاد فی سبیل اللہ کی طرف نکلنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ماں باپ اذن نہ دے دیں۔ ہاں اگر جہاد کی نفیر عام ہو تو اس وقت جہاد کے لئے نکلنا والدین کے اذن پر موقوف نہیں۔ بالجملہ حکم یہی ہے کہ والدین کی اطاعت وخدمت (عام حالات میں) غزوے میں جانے سے افضل ہے۔

حسن سلوک کا سب سے پہلے حق دار کون؟ پھر کون، پھر کون؟

حدیث شریف: حضرت بہز ابن حکیم بتوسط والد اپنے دادا سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں میں نے (ایک بار حضور سے) عرض کیا تھا: یارسول اللہ میں کس کے ساتھ برّ (بھلائی) کروں؟ فرمایا ماں کے ساتھ۔ میں نے پوچھا حضور پھر کون؟ حضور نے پھر فرمایا: ماں کے ساتھ! میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: ماں کے ساتھ تین بار ایک ہی جواب ملا، چوتھی بار عرض کیا حضور پھر کون؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ اور (پھر بطور تعلیم قاعدہ) فرمایا: ''ثم الاقرب فالاقرب'' پھر قریب تر، پھر قریب تر۔ (۱)

[۱] یعنی پھر حسن سلوک کا حق دار وہ عزیز ہے جو ماں باپ کے بقیہ اگلے کالم میں

ماں باپ اولاد کے لئے جنت ہیں یا دوزخ؟

حدیث شریف: مصنف علیہ الرحمہ اپنی پوری سند نقل کر کے حضرت زید ابن علی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے راوی ہیں کہ ان کو ان کے دادا (رضی اللہ تعالی عنہ) نے حدیث شریف سنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لو علم اللہ شیئا من العقوق ادنیٰ من اُفٍ لَنَھی عن ذلک فلیعمل العاق ما شاء ان یعمل فلن یدخل الجنة و یعمل البار ما شاء ان یعمل فلن یدخل النار۔ (ترجمہ) اگر علم الٰہی میں کوئی بات عقوق والدین سے متعلق ''اُف'' کہنے سے بھی ادنیٰ ہوتی تو ضرور اس سے نہی فرماتا۔ تو عاق (۲) جو چاہے نیک عمل کرے جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکے گا اور بارّ دوزخ میں ہرگز نہیں رہے گا اس کے اعمال چاہے جیسے ہوں۔

شرع تو شرع، عقل بھی احترام والدین کی قائل

تنبیہ: (فقیہ یعنی حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں) اگر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں والدین کی حرمت (عزت واحترام) کا

پچھلے کالم کا بقیہ ....

بعد زیادہ قریب ہو۔ پھر اس کے بعد والا قریبی پھر اس کے بعد والا قریبی۔ مثلاً اصول میں دادا پھر پردادا یا دادی نانی پردادی پرنانی۔ اولاد میں مثلا بیٹا بیٹی پھر اولاد کی اولاد یا مثلا بھائی بہن، پھر ان کی اولاد یا مثلا ماں باپ کے بھائی بہن یا پھر ان کی اولاد۔ علی ھذا القیاس۔ ۱۲ — مترجم غفرلہ

[۲] عاق = یعنی وہ اولاد جو ماں یا باپ کی نافرمان ہو، ان کو ستانے دل دکھانے والی ہو۔ اور بارّ = یعنی ماں باپ کو خوش رکھنے ان کی خدمت کرنے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والی مؤمن اولاد۔ (عاق کی بخشش نہیں اگرچہ نیک عمل ہو) اس کا مطلب یہ ہے اس کے نیک اعمال اس وقت تک قابل قبول اور مفید نہیں جب تک ماں باپ راضی نہیں ہو جاتے اور (فرماں بردار اولاد ضرور مستحق جنت ہے اگرچہ بد عمل ہو) اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو خدمت والدین کو اس کے گناہوں کے لئے کفارہ فرمادے گا۔ بالجملہ ہر نیک وبد کی بخشش اللہ ہی کی مشیت اور اس کی رحمت پر ہے۔ ۱۲ — مترجم غفرلہ۔

ذکر نہیں بھی فرماتا اور نہ ان کے متعلق تاکیدی نصیحتیں کرتا جب بھی یہ بات ضرور عقل سے جان لے جاتی کہ ان کی حرمت واجب ہے لہٰذا (ازروئے عقل ہی) واجب ٹھہرتا کہ والدین کی حرمت پہچانے اور ان کے حقوق ادا کرے تو اب کیسے واجب نہیں ہوگی؟ جبکہ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، توراۃ، انجیل، زبور، فرقان اپنی سبھی کتابوں میں والدین کی حرمت کا ذکر فرما چکا اور اپنی جملہ کتابوں میں ان کا ادب واحترام کرنے، ان کے حقوق پہچاننے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دے چکا ہے اور اس بابت اپنے سبھی نبیوں کو وحی کر چکا، انہیں تاکیدی احکامات وہدایات دے چکا ہے اور مزید یہ کہ اس نے اپنی رضا وخوشنودی ماں باپ کی رضا میں اور اپنی ناراضگی ان کی ناراضگی میں رکھی ہے۔

دو—دو کاموں کی تین جوڑیاں، ان میں کا اِکّا مقبول نہیں

قول بزرگاں: کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تین آیات اس شان کی نازل ہوئی ہیں جن میں دو—دو چیزوں کی جوڑی مذکور ہے۔ یعنی ان میں کی ہر آیت دو دو جُٹوں سے جُڑی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں کی اِکّا کو دوسری کے بغیر قبول نہیں فرمائے گا۔(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

پہلی آیت: وَ أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [سورۂ بقرہ–۴۳] (ترجمہ) نماز قائم کرو اور زکاۃ بھی ادا کرو۔

☆ تو جس نے نماز پڑھی اور زکاۃ ادا نہیں کی اس کی نماز بھی مقبول نہیں (اسی طرح اس کا عکس ہے یعنی اگر زکاۃ دی اور نماز نہیں پڑھی تو زکاۃ بھی قابل قبول نہیں)۔

دوسری آیت: اور فرماتا ہے: وَ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ [سورۂ مائدہ–۹۲] (ترجمہ) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

☆ تو جو اللہ کی اطاعت کرے اور رسول کی نہ کرے تو اطاعت الٰہی بھی مقبول نہیں۔ (اور اسی طرح اس کا عکس ہے)

[۱] یعنی اگر جوڑی میں ایک ہو اور دوسرا نہ ہو تو وہ دوسرا بھی لائق شمار نہیں ہوگا، گویا دونوں ندارد۔ معلوم ہو کہ اس (ناقابل قبول) سے مراد یہ نہیں ہے کہ فرض ادا نہیں ہوا بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل کا مفید وموجب ثواب ہونا دوسرے عمل کی ادا یا قضا پر موقوف رہتا ہے۔ ۱۲—مترجم غفرلہ

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ [سورۂ لقمان–۱۴] یعنی ہم نے آدمی کو تاکید فرمائی یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

☆ تو جس نے اللہ کا تو شکر ادا کیا لیکن والدین کا ادا نہیں کیا بلکہ ناشکری کی تو اس کا یہ شکر بھی اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔

ماں باپ کی بددعا وناراضی میں خطرے ہی خطرے

حدیث شریف: اس مدعا پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف بھی دال ہے۔ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

"ان لعنة الوالدين تبتر اذا عقهما-الحديث۔ (ترجمہ) یعنی اولاد کی نافرمانی ونالائقی سے متأثر ماں باپ کا اولاد کو کوسنا بربادی کا سبب ہے۔ (مصنف علیہ الرحمہ نے ایضاحاً کہا)۔ یعنی اولاد کی بیخ کنی کا سبب ہے۔" (۱)

حضور نے آگے فرمایا تو جس نے ماں باپ کو راضی کر لیا اس نے بے شک اپنے خالق کو راضی کر لیا اور جس نے ماں باپ کو ناخوش کیا اس نے بے شک اپنے خالق کو ناراض کیا اور فرمایا جس نے ماں باپ دونوں کو پایا، یا ایک کو (یعنی اُن کی خدمت واطاعت کا موقع پایا) اور ان کی خدمت واطاعت نہ کر کے (حسن سلوک ترک کر کے) مستحق دخول نار ہوا تو اسے اللہ اپنی رحمت سے دور ہی کرے۔ (۲)

نماز، خدمتِ والدین اور جہاد، افضلِ اعمال سے ہیں

حدیث شریف: اور (مروی ہے کہ) نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے سوال ہوا: اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: "الصلوٰة لوقتها، ثم بر الوالدين، ثم الجهاد فی سبيل الله۔ یعنی سب سے اول درجہ کا افضل عمل وقت پر نماز ادا کرنا (نہ کہ وقت کھو کر) پھر دوسرے نمبر کا افضل کام بِرُّ الوالدین یعنی

[۱] یعنی ان کی بددعا سے کہیں نسل ٹھپ نہ ہو جائے۔ ۱۲—مترجم غفرلہٗ۔

[۲] حدیث شریف اعلان کر رہی ہے کہ ماں باپ دونوں کا وجود یا ان میں سے ایک کا وجود، اولاد کے لئے بڑی نعمت ہے۔ اگر اولاد نے اس نعمت کی قدر کی تو اخروی نعمت پانے کی حقدار ہوگی ورنہ وہ اسی لائق ہے کہ اللہ کی رحمت سے محروم رہے اور مستحق عذاب ہو۔ ۱۲—مترجم غفرلہ۔

بقیہ ص ۲۹ / پر

ہمارے اسلاف کرام کا طریقۂ تبلیغ

اللہ رب العزت کے مقدس و بابرکت دین کی اشاعت کے لئے ہمارے اسلاف نے جو ناقابل فراموش قربانیاں دی ہیں ان کو رقم کرنے سے قلم قاصر ہے۔ رب قدیر نے سب سے پہلے اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو دنیا میں اپنا خلیفہ ورسول بنایا اور انہوں نے اوّل دور کے لوگوں میں اسلام کی نشر و اشاعت کی۔ ان کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم تشریف لاتے رہے اور اس فریضے کو بخوبی انجام دیتے رہے۔

پھر معلم کائنات محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ جب ہمارے آقا، سرور کائنات جناب احمد تقی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انبیائے کرام ورسولان عظام کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو صحابہ کرام کا دور آیا، اور انہوں نے بھی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کی طرف بلانے اور ہدایت کی راہ دکھانے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ان کے بعد اسی طرح تابعین کرام، ائمہ امت اور اولیائے کرام کا زمانہ آتا رہا اور لوگوں اور زمانے کے حالات کے مطابق اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ اب اس صدی میں یہ تمام تر ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر آ گئی ہیں، بالخصوص علمائے کرام اور اس زمانے کے جید علمائے ربانیین کا نام نامی سب سے پہلے ہے۔ موبائل اور سوشل میڈیا کے اس زمانے میں لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ اسلام اس سے پہلے ہم تک بڑی آسانی کے ساتھ پہنچ گیا ہے، ہمارے اسلاف نے بڑی قربانیاں دے کر ہم تک اس پاکیزہ مذہب کو پہنچایا ہے۔ لیکن اس دور میں ہر شخص دنیوی زندگی سے زیادہ لگاؤ رکھنے لگا ہے، ہر کوئی اسکول یا کالج کی طرف رخ کر رہا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصر جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کیسے دین اسلام کی نشر و اشاعت کریں؟ لہٰذا فروغ دین و مذہب کے تعلق سے چند باتیں مذکور ہیں جن کی روشنی میں اسلام کی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو عوام الناس کو اسلام کی عظمت اور اس کے مرتبے سے آگاہ کیا جائے، کہ یہ دین بقیہ تمام ادیان سے افضل واعلی ہے، یہی دین پاک وستھرا کرنے والا ہے، اس میں کسی قسم کی برائی یا عیب نہیں، یہ دین عدل وانصاف کی طرف بلاتا ہے، بڑوں کا ادب کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے حق داروں کو اُن کا حق ادا کرنے، مظلوموں پر رحم کرنے اور یتیموں پر مہربان ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔

(۲) اسکے بعد عوام کو اس بات سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ دین اسلام ہی ایسا دین ہے جو بندے کو دنیا تو کام آتا ہے اور اسے کامیاب وکامران بنا کر چھوڑتا ہے ساتھ ہی ساتھ آخرت میں بھی یہ آدمی کو سرخ رو کر دے گا اور دور حاضر میں جو نئے نئے فتنے اٹھے رہے ہیں ان فتنوں کا سد باب کرنے کے لئے جو دین کافی ووافی ہے وہ اسلام ہی ہے اور اسلام ہی راہ مستقیم ہے اور یہی دین رب قدیر کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔

(۳) آدمی اس نئے دور میں اگر چہ دنیا کے پیچھے پڑا ہوا ہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ دین کو اتنا ضرور سمجھ لے کہ اپنی عبادات کو صحیح طور پر ادا کر سکے۔ ہاں عصری علوم کی تعلیم ضروری ہے لیکن اس کے فوائد دنیا تک منحصر ہیں۔ آدمی اس دنیا کے پیچھے بھاگنا چھوڑ کر رب قدیر سے کو لگائے دنیوی زندگی تو فانی ہے لیکن آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔

(۴) دور حاضر میں لوگوں کا رجحان دینی تعلیم سے دور ہو کر عصری علوم کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ طول پکڑ لے گا تو اس کے آگے بند باندھنا مشکل ہو جائے گا، ہماری ساری توجہ دینی تعلیم کی نشر واشاعت کی طرف ہو، درس گاہوں سے قابل طلبہ نکالے جائیں اور اسلاف کے طریقہ کار پر گامزن رہتے ہوئے طلبہ کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ مبذول رہنی چاہیے، تاکہ تعلیم وتربیت سے آراستہ ہو کر طلبہ درس گاہوں سے نکل کر قوم کے سامنے جائیں تو قوم ان کے کردار سے متاثر ہو کر دین کی طرف مائل ہو۔

(۵) بیسویں صدی کا زمانہ ایجادات کا زمانہ ہے، اس زمانے میں اس قدر نئی نئی اشیاء وجود میں آئیں کہ اس سے پہلے بھی اتنی اشیاء وجود میں نہیں آئیں۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے تو اس دور میں تبلیغ بھی اس طرح کی جائے کہ عوام کو اکتاہٹ بھی محسوس نہ ہو اور وہ اس میں دل چسپی لیں۔

اس کی سب سے بڑی مثال حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے جو پیش کی ہے وہ بہت باکمال ہے کہ آپ نے صرف آڈیو کے ذریعہ ہزاروں، لاکھوں سوالات کے جوابات دے کے تمام غربائے اہل سنت کو سیدھا راستہ دکھا دیا۔

بہر حال فریضے کو اس طرح انجام دیا جائے کہ عوام کو اکتاہٹ محسوس نہ ہو، اس دور میں گھر گھر جا کر تالی کرتا اگر چہ ممکن ہے مگر عوام کو اس میں دل چسپی نہیں۔ لہٰذا اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ عوام جس جائز پلیٹ فارم کی طرف زیادہ مائل ہو اسی پلیٹ فارم سے اشاعت دین کی جائے۔

(۶) ہماری تبلیغی ذمہ داریوں میں سے اس ذمہ داری کا بھی اہم رول ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قائم کئے جائیں اور ان میں اچھے باصلاحیت علمائے کرام وقرائے عظام کو تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا جائے اور طلبائے کرام کو ان کی طرف توجہ دلائی جائے علما وطلبا کو خائف پیش کئے جائیں، جس سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہو سکے اور اسلامی معاشرہ کھلی گمراہیوں، بدکاریوں اور حرام کاموں سے پاک ہو جائے اور عوام کی دنیا وآخرت دونوں سنور جائے۔

(۷) ان تمام ذمہ داریوں سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ پہلے خود اس دین پر مکمل طور پر عمل کریں، اس دور میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض دین کے مبلغ ہی اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی بات اثر نہیں کرتی اور لوگ اسلام سے دور ہوتے نظر آ رہے ہیں اور بعض لوگوں نے تو دین کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے، تصویر جیسی بلاؤں کو دین میں ایجاد کر کے، ان کا یہ دعوی کرنا کہ ہم اس کے ذریعے اسلام کی نشر واشاعت کر رہے ہیں بالکل بے کار و لغو ہے۔ جو کام غیر کر رہے تھے وہ اب اپنے کرنے لگ گئے، یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ آج اسلام کا معاذ اللہ مذاق بنایا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا پہلوؤں کو اگر مدنظر رکھا جائے تو اس جدید زمانے میں بھی بہ آسانی اسلام کی نشر واشاعت کی جا سکتی ہے، اور اس ٹکنالوجی کے دور میں بہت سہولت کے ساتھ اسلام ہر بستی وقریہ بلکہ ہر گھر میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لئے اس کام کو آسان فرما دے۔ ہمارے علما کو اور ہمیں خوب جذبہ عطا فرمائے اور عوام اہل سنت کو بھی اس کی طرف مائل فرما دے، آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم۔

□ □ □

ص ۵۳ / کا بقیہ ....

جو یادِ شہنشاہِ مدینہ میں ہیں گزرے
لمحات وہی قیمتی زنداں میں لگے ہیں

جو واقفِ منشائے شہِ کون ومکاں ہیں
وہ عبدِ خدا خدمتِ انساں میں لگے ہیں

سرگرداں ہیں ہم شاہِ مدینہ کی طلب میں
پیوند کئی چاکِ گریباں میں لگے ہیں

کس درجہ وہ مقبول عبادت میں ہیں مشغول
جو لوگ خیالِ رخِ جاناں میں لگے ہیں

خاکی دلِ بے کیف کو جو مست بنا دے
اس مے کی طلب میں صفِ رنداں میں لگے ہیں

آدابِ حرمین شریفین اور ہماری غفلت

از: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

حرمین شریفین دنیا کے وہ مقدس مقامات ہیں جہاں دلوں کو جھک جانا چاہیے، نگاہوں کو ادب سیکھنا چاہیے اور روح کو پاکیزگی کا لباس پہننا چاہیے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں صدیوں سے انبیائے عظام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیائے کاملین علیہم الرحمہ اور عاشقانِ حق نے آنسوؤں سے اپنے دامن بھرے۔

مگر افسوس کہ آج انہی پاکیزہ فضاؤں میں ایک نیا طرزِ عمل پنپ رہا ہے: موبائل فون، کیمرہ، ویڈیو، ریل اور لائیو نشریات۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ یادگار کے لیے ایک آدھ تصویر لے لی جائے تو یہ الگ بات، لیکن لیکن مسجد الحرام میں داخل ہونے والا زائر اگر سب سے پہلے کیمرہ آن کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آنکھ کعبہ دیکھ رہی ہے مگر دل کہیں اور مصروف ہے۔ طواف کے دوران وہ ہاتھ جو دعا کے لیے اٹھنے تھے، اسکرین تھامے ہوئے ہیں۔ سجدے کی جگہ سیلفی اور ذکر کی جگہ ریکارڈنگ نے لے لی ہے۔ عبادت اب خلوت نہیں رہی بلکہ نمائش بن گئی ہے۔

یہ طرزِ عمل صرف ذاتی غفلت نہیں بلکہ اجتماعی بے ادبی بھی ہے۔ جہاں فرشتے صف باندھتے ہوں، وہاں غیر ضروری گفتگو، قہقہے اور سوشل میڈیا کی لائیو اسٹریمنگ اس مقام کی روحانیت کو مجروح کر دیتی ہے۔ حرمین شریفین میں خاموشی خود ایک عبادت ہے اور وقار خود ایک دعا۔ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے وقت نگاہوں کا جھک جانا سنت ہے، آواز کا مدھم ہونا ادب ہے اور دل کا لرز جانا محبت کی نشانی۔

مگر آج روضۂ رسول ﷺ کے قریب کھڑے ہو کر پوز بنائے جاتے ہیں، ویڈیوز بنائی جاتی ہیں اور ان مقدس لمحات کو دنیا کو دکھانے کی خواہش میں اخلاص کہیں پیچھے رہ جاتا ہے، اصل سوال یہ ہے کہ ہم وہاں کس لیے گئے ہیں؟ رب سے ملنے کے لیے یا دنیا کو دکھانے کے لیے؟ حرمین شریفین سیاحتی مقامات نہیں کہ وہاں یادگاری تصاویر کی نمائش ہو، یہ تو توبہ کی زمین، دعا کا مرکز اور خود احتسابی کے محور ہیں۔

یہاں انسان کو خود کو بھول جانا چاہیے، نہ کہ خود کو نمایاں کرنا۔ جو زائر حرم بن کر آئے اور سیاح بن کر لوٹے، اس نے سفر تو کیا مگر فیض نہ پایا۔ جو آنسو بہا سکتا تھا مگر فلٹر لگا کر مسکرا دیا، اس نے روحانی دولت کو دنیاوی شہرت کے بدلے بیچ دیا، آدابِ حرمین شریفین صرف لباس سے ادا نہیں ہوتے بلکہ نگاہ، زبان، نیت اور رویے سے ادا ہوتے ہیں۔ وہاں کم بولنا، آہستہ چلنا، نظریں جھکانا اور دوسروں کے آرام کا خیال رکھنا بھی عبادت کا حصہ ہے۔ حرمین میں ہر قدم تاریخِ ایمان پر پڑتا ہے، اس لیے ہر قدم سنبھال کر رکھا جانا چاہیے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت دکھانے کی چیز نہیں، چھپانے کی نعمت ہے، اخلاص وہ خوشبو ہے جو خاموشی میں پھیلتی ہے، شور میں نہیں، اگر حرمین شریفین میں جا کر بھی ہمارا دل موبائل میں قید رہے، تو سمجھ لیجیے کہ ہم نے قبلہ تو بدل لیا، مگر قبلۂ دل نہیں بدلا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زائرین کو آدابِ حرمین کی تعلیم دی جائے، انہیں بتایا جائے کہ یہ مقامات سیلفی پوائنٹ نہیں، سجدہ گاہ ہیں۔ یہ کیمرہ زون نہیں، دعا زون ہیں۔ یہاں کی سب سے خوب صورت تصویر وہ ہے جو دل میں محفوظ ہو نہ کہ موبائل گیلری میں۔

عورت اور انٹرنیٹ

سوشل میڈیا سے

مومن مسلمان کے لیے بہت سے مراعات ہیں جو دنیا اور آخرت میں اس کو اللہ تعالی دے گا۔ اب چونکہ دنیا میں ہر مخلوق کے درمیان جنس ہے۔ اِس حساب سے مسلمانوں میں بھی مرد اور عورت دو مختلف جنس ہے۔ جس کے درمیان اللہ تعالی نے ایک دوسرے کے لیے خاص حدود مقرر کیے ہیں۔ اِن ہی حدود میں ایک حد پردہ ہے۔

اس موضوع پر آج تک بہت سے علمائے کرام نے بیانات کی ہیں اور ہم لوگوں کو بھی کافی علم ہے کہ پردہ کیا ہے،

چونکہ عورت مرد کے سکون اور راحت کے واسطے بنائی گئی ہے کہ مرد اس کے ساتھ نکاح کر کے ایک راحت بھری خوشگوار زندگی کے ساتھ ساتھ امت کو بھی آگے بڑھائے۔عورت کا جسم اللہ نے اِس ترتیب سے بنایا ہے کہ وہ مردوں کے دلوں کو کھینچنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

میں آج صرف انٹرنٹ پر عورتوں کے آنے کے متعلق بات کروں گا، آج کل بہت سی خواتین انٹرنٹ استعمال کرتیں ہیں اور گپ شپ لگاتیں ہیں جو کہ بے پردہ ہونے والی بات ہے، آپ کسی کے ساتھ خط و کتابت بھی نہیں کر سکتی کیونکہ لفظوں میں دل کو کھینچ لینے کی پوری پوری صلاحیت ہوتی ہے۔

اسی کی ایک قسم telepathy ہے جس سے سامنے والے کے دل پر آپ لکھ کر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔آج کل انٹرنٹ سے کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔گھر اس انٹرنٹ سے برباد ہوئے ہیں کیونکہ آج کل ہر مرد اِس انٹرنٹ پہ عورت کی تلاش میں ہے۔

اگر اسلام نے عورت کو پردہ کا حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف موٹے کپڑے پہنے اور غیر مردوں کے ساتھ گفتگو نہ کریں نہیں نہیں نہیں۔آپ کی یہ سوچ بالکل غلط ہے، آپ خود سوچھے اگر اللہ نہ کرے ہماری بیٹی یا بہن کسی کو خط لکھے تو کتنا برا لگتا ہے کہ زمانہ کیا کہے گا کہ فلاں شخص کی بیٹی یا بہن نے فلاں کو خط بھیجا، اِس نقطہ پر خوب سوچھیں کہ اِس میں گہرائی کتنی ہے تو اِسی سے اندازہ لگالیں کہ کیا ایک عورت جو خود کو مسلمان سمجھتی ہے کسی کے ساتھ خط اور کتابت رکھ سکتی ہے؟

بالکل بھی نہیں کیونکہ اِس سے عورت اور مرد کے بہکنے کا خطرہ ہے۔عورت کے الفاظ چاہے منہ سے نکلے یا قلم سے آتے پردے میں ہیں اس لیے عورت کو غیر مردوں کے ساتھ خط و کتابت کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اِس کو میں نے بہن کہا ہے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اِس کو بیٹی بنایا ہے تو جناب اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس میں بہانے نہیں چلتے۔جس عورت کے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے تو کیسے وہ ہماری بیٹی یا بہن بن گئی؟

اللہ نے اِن سب سے منع فرمایا ہے کیونکہ پہلے لوگ کسی کو بھی بیٹا بنا کر یا بٹی بنا کر ان کو اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے اور اِن کے درمیان کوئی پردہ وغیرہ نہ ہوتا تو اللہ نے منع کیا کہ یہ تمہارے بیٹے یا بیٹیاں نہیں ہیں بلکہ ان کو اپنے والدین کے نام سے مخاطب کرواور اِن کو گھر نہ لے جاؤ اور اِن سے پردہ رکھو، لیکن آج کل کیا ہو رہا ہے سب گپ شپ لگاتے ہیں اگر آپ اِن سے پوچھیں غلط کام ہے تو جواب ملے گا کہ کیوں وہ مجھے بہن مانتا ہے یا بیٹی کہتا ہے۔۔

جب اللہ نے منع فرمایا ہے تو پھر اس کے لیے الٹے پلٹے جواز ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوستو اسلام وہ دین ہے جس میں اگر آپ خود سے زیادتی کریں گے تو بدعت کہلاتا ہے، اس لیے اپنے بیٹیوں اور بہنوں کو اِس مردار چیزوں سے منع کرنے کی کوشش کریں اور ان کو پردہ کرنے کی تلقین کرتے رہیں کیونکہ اللہ متقی اور پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے، اللہ ہماری مشکلیں آسان فرمائے، آمین ثم آمین۔

□□□

ص ۶ رکا بقیہ...

یعنی جب تم تین سو بھینسوں کا گوشت کھا چکے، جب تم نے تین برتن سوما پی لیا، جب ہنیں نے اہیٰ کو شکست دی، تو سب دیوتاؤں نے اس بھوک سے بھرے اِندر کو، گویا ایک نوکر کی طرح بلایا اور لڑائی کے لیے اس کی طرف دھکیل دیا۔

(رِگ وِید 5.29.8)

یہاں महिषाणाम سے مراد بھینسیں ہیں، جن کی سومن کے ساتھ بھاری قربانی کا ذکر ہے اور گوشت کھانے کا بھی۔

5 **قربانی کے متعلق عام اصول اس طرح بیان ہوتا ہے:**

"यज्ञार्थ पशवः सृष्टाः स्वयमेव स्वयंभुवा
यज्ञोऽस्य भूत्यै सर्वस्य तस्माद यज्ञे वधोऽवधः "

یعنی قربانی کے لیے جانور ایشور (سْوَیَمْبُھ) نے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کیے ہیں؛ یہ قربانی سب کے لیے فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے، اس لیے قربانی کے موقع پر ذبح کرنا گناہ نہیں ہے۔

پتہ چلا کہ ویدک دور میں بھی دیوتا کی خوشی، مہمان نوازی، طبی ضرورت، طاقت کے حصول کے لیے گائیوں، بھینسوں اور دیگر جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی اور ان کا گوشت کھایا جاتا تھا۔

یہ تو رہی ویدوں میں ذکر کردہ حقیقت! اب آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا ہندوؤں کی عملی زندگی میں اس "بلی" یعنی قربانی کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ جیسا کہ قدیم ویدک دور میں یگیہ (قربانی) کے بعض رسوم میں جانوروں کی بلی دی جاتی تھی، جن میں گائے، بیل، بکرے اور دیگر جانور شامل تھے۔

خود رشی یاگیہ والکیہ (याज्ञवल्क्य) کے متعلق منقول ہے کہ وہ گائے یا بیل کا گوشت کھاتے تھے، بشرطیکہ وہ نرم ہو۔ اسی طرح مہابھارت کے بعض مقامات اور قدیم دھرم شاستروں کے حوالوں سے بھی مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان میں مختلف جانوروں کے گوشت کے استعمال کا ذکر ملتا ہے۔

مشہور مؤرخ D. N. Jha نے اپنی کتاب The Myth of the Holy Cow میں تفصیل سے لکھا کہ قدیم ہندوستان میں گائے کا گوشت استعمال کرنے کے شواہد موجود ہیں اور گائے سے مذہبی آستھا بعد کے ادوار میں مضبوط ہوئی۔ لیکن بعض مخصوص مندروں میں جانوروں کی بلی کی روایت آج بھی پائی جاتی ہے۔ خصوصاً شاکت (دیوی) عبادت سے متعلق بعض مقامات پر بکرے اور بعض اوقات بھینس کی بلی دی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر آسام کا مشہور "کامکھیا مندر" Kamakhya Temple جہاں بکرے اور بعض مواقع پر بھینس کی بلی دی جاتی ہے۔ کولکاتا کا "کالی گھاٹ مندر" Kalighat Kali Temple جس میں بکرے کی بلی کی روایت مشہور ہے۔ تریپورہ کا "تریپورہ سندری مندر" Tripura Sundari Temple جہاں بعض تہواروں خصوصاً دیوالی/کالی پوجا کے موقع پر بلی کا ذکر آتا ہے۔ مغربی بنگال کے "تاراپیٹھ مندر" Tarapith Temple اور بعض شاکت مندروں میں بھی بکرے کی بلی روایتی طور پر ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح "دکشنیسور کالی مندر" میں بعض مواقع پر بلی کا ذکر ملتا ہے۔

مذکورہ شواہد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جانوروں کی بلی یا قربانی صرف اسلام اور مسلمانوں میں ہی رائج نہیں بلکہ دوسرے مذاہب اور خود ہندو دھرم میں بھی موجود ہے، اس لئے اس کے لئے صرف مسلمانوں کو ٹارگیٹ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر مسلمان قربانی کرتے ہیں تو ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں، وہ کسی اور کو "جیو ہتیا" اور "اہنسا" کا گیان نہیں دیتے، لیکن کچھ ہندو "جیو ہتیا" پر "گیان" بھی جھاڑتے ہیں اور نہایت ہی بے دردی کے ساتھ جانوروں کی بلی بھی دیتے ہیں لیکن اس "جیو ہتیا" کا ذمہ دار صرف مسلمانوں کو گردانتے ہیں، یہ کیسا طرفہ تماشہ ہے۔

دراصل اس دنیا میں خدا نے کچھ جانوروں کو کھانے کے لئے اور کچھ کو کھائے جانے کے لئے پیدا کیا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو بوڑھے ہو چکے اور بیمار پڑ چکے جانوروں کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ ذرا غور کیجئے جو انسان اپنے بوڑھے ماں باپ کی دیکھ ریکھ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، کیا وہ بوڑھے اور بیمار جانوروں کی دیکھ ریکھ کر سکتا ہے؟ یاد رکھئے! گئو رکشا دل بنا کر مسلمانوں کو مارنا پیٹنا تو آسان ہے، لیکن بوچڑ خانہ بن چکے گئوشالاؤں میں گھٹ گھٹ کر مرتی اور "الکبیر" جیسے ہندو سلاٹر ہاؤسز میں کٹتی گائیوں کو بچانا بہت مشکل ہے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے شیر کی طرح دھاڑنے والے یہ "گئو رکشک" جب بات آتی ہے کولڈ اسٹوریج میں ٹنوں "گئو مانس" اسٹور کرنے والے نوئیڈا کے "پنڈت پورن جوشی" اور "الکبیر" جیسے مسلم ناموں سے سلاٹر ہاؤسز چلانے والے "بڑے ہندوؤں" پر ایکشن لینے کی تو سارے کے سارے "گئو رکشک" بھیگی بلّی بن جاتے ہیں۔ اگر واقعی "گئو ماتا" سے آستھا جیسی کوئی چیز ہے تو ان کا بھی بال بیکا کر کے دکھائیے، یا ساری آستھا صرف مسلمانوں کے سامنے ہی جوش مارے گی؟

اور گائے کے نام پر تو ایسا بکھیڑا کھڑا کرتے ہیں جیسے ان سے بڑا "گئو بھکت" کوئی پیدا ہی نہیں ہوا، حالانکہ گئو بھکتی اور گئو رکشا کے دعوے کے ساتھ یہ گائیوں کو ایسی بے دردی سے مارتے کاٹتے ہیں، گئوشالاؤں میں "گئو سیوا" کے نام پر گورنمنٹ

بقیہ اداریہ

سے لاکھوں روپئے اینٹھنے کے باوجود بھی گائیوں کو بھوکے پیاسے رکھ کر ایسی اذیت ناک زندگی دیتے ہیں، جہاں گائیں تل تل کر مرتی ہیں، یہاں تک کہ بیمار اور کمزور گائیوں کو جے سی بی سے زندہ درگور کرنے کے ایسے بھیانک مناظر بھی سامنے آئے ہیں جنھیں دیکھ کر روح کانپ جاتی ہے۔

یہ سوتیلا رویہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ دراصل انھیں جانوروں سے یا گائیوں سے کوئی عقیدت ومحبت نہیں، انھیں صرف مسلمانوں کو ٹارگیٹ کرنے کا کوئی بھی بہانہ چاہئے، ورنہ عقیدت ومحبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس سے محبت کی جائے اگر اسے کوئی تکلیف ہو تو یہ دیکھے بغیر کہ تکلیف دینے والا کون ہے اس کے خلاف قانونی کاروائی کرتے ہوئے اسے اس جرم کی قرار واقعی سزا دی جائے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی انوکھا ہے، اگر مسلمان قربانی کرے یا ذبح کرے تو آستھا کا بھوت کا ننگا ناچنے لگتا ہے اور بے قصور مسلمانوں کو مار پیٹ کر موت کے گھاٹ تک اتار دیا جاتا ہے اور اگر ہندو اپنی ذاتی دشمنی نکالنے کے لئے گائے کاٹے، خرید وفروخت کرنے والوں سے وصولی کرے، سلاٹر ہاؤسز چلائے، گئوشالاؤں میں انھیں بھوکے پیاسے مارے اور مذکورہ مندروں میں گائے سمیت دیگر جانوروں کی بلی دی جائے تو اس "انوکھے آستھا" پر ذرّہ برابر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اصول سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ جب معاملہ ایک مخصوص گروہ کے عمل سے متعلق ہو تو آسمان سر پہ اٹھالیا جائے اور اگر وہی معاملہ دوسرے گروہ سے متعلق ہو تو چاروں طرف خاموشی؟ اسے تو کوئی بھی "انصاف کا خون" کرنا کہہ سکتا ہے۔

یہ ایک شرمناک حقیقت ہے کہ قربانی کے وقت یہ مسئلہ اکثر سماجی وسیاسی کشیدگی کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے، آستھا اس وقت کہاں چلی جاتی ہے جب خود ہندو "گئوماتا" کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کا الزام مسلمانوں کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

یاد رکھئے! اسلام نے اگر کچھ مخصوص جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دی ہے تو اس کے لئے سخت ضابطے اور اصول بھی متعین کئے ہیں، کوئی بھی مسلمان ان ضابطوں کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، ذبح کرنے میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ چھری اتنی تیز ہو کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ ایک عورت محض اس لئے جہنم رسید ہوگئی کہ اس نے ایک بلّی پال رکھی تھی، ایک دن وہ کسی بات پر ناراض ہوگئی اور بلّی کو باندھے رکھا، نہ کھانا دیا نہ دانہ! یہاں تک کہ وہ بلّی مرگئی۔ اسلام نے باقاعدہ جانوروں کے حقوق بھی متعین کئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے گلے میں رسّی کیسی اور کتنی لمبی ہونی چاہئے، سب واضح کر دیئے ہیں، پیغمبر اسلام نے دن میں ستر بار دانہ پانی دینے کا حکم فرمایا۔

اگر بات گوشت خوری کی کی جائے تو بھارت میں گائے سمیت دیگر جانوروں کا گوشت کھانے والے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی عمل اگر "اپنے" گروہ سے منسوب ہو تو خاموشی! اور اگر وہی عمل "دوسرے" گروہ سے منسوب ہو تو شدید شور شرابہ؟ یہ سوتیلا پن کیوں؟

گئوکشی کے معاملے میں یہ دوغلا رویہ عام ہوگیا ہے کہ آستھا اسی وقت جوش مارتی ہے جب ملزم مسلمان ہوں اور اگر ہندو ہوں تو یہ آستھا کمبھ کرن کی نیند سوجاتی ہے، یہ شرمناک رویہ انصاف پسندوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ دراصل انتہا پسندوں اور گئورکشادلوں کو گائے سے کوئی آستھا ہے ہی نہیں، انھیں تو بس مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے کا موقع چاہئے جو انھیں "گئوماتا" کے نام پر عام ہندوؤں کے مذہبی جذبات سے کھیل کر مل جاتا ہے، ورنہ جس طرح "گئوکشی" کے لئے مسلمانوں کی لنچنگ ہوجاتی ہے آج تک کسی ہندو گئوکش کی کیوں نہ ہوئی؟

قانون کا غیر مساوی نفاذ اور سماجی تعصب وتنفر کا عالم یہ ہے کہ گئوکشی کے معاملے میں بعض اوقات الزام، ہجومی ردعمل اور میڈیا کی کوریج مذہب دیکھ کر بدل جاتی ہے، یعنی اگر ملزم مسلمان ہو تو شور شرابہ اور اگر غیر مسلم ہو تو مجرمانہ خاموشی! ویسے ایسے معاملے میں زیادہ تر وہ شرپسند عناصر ملوث ہوتے ہیں جو مذہبی جذبات کو سیاسی فائدے یا سماجی منافرت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

گائے سے آستھا اگر واقعی سچائی پر مبنی ہے تو قانونی نفاذ اور احتجاج سب کے لیے برابر ہونا چاہیے۔ ❑❑❑

مجھے مصطفےٰ کا سہارا بہت ہے

(از: مولانا محمد مدثر حسین اشرفی پورنوی

جو یادِ نبی میں تڑپتا بہت ہے
یقیناً وہ آقا کا پیارا بہت ہے

خدا کی رضا پا گیا ہے وہ بے شک
شہِ دیں کا دل سے جو شیدا بہت ہے

کبھی بھول سے بھی نہ آنکھیں دکھانا
مجھے مصطفےٰ کا سہارا بہت ہے

مدینے میں زائر مؤدب ہی رہنا
خدا کی طرف سے تقاضا بہت ہے

حسین و حسن ہیں نبی کے نواسے
انہیں مصطفےٰ نے سنوارا بہت ہے

جو بھیجے نبی پر درودوں کا تحفہ
تو راضی خدا ان سے ہوتا بہت ہے

انہیں فکر کیوں کر ہو روزِ جزا کی
جو شیدا شہِ انبیاء کا بہت ہے

مدثرؔ تمہاری سنورنے کو قسمت
شہِ انبیاء کا اشارہ بہت ہے

جو کارِ ثنائے شہ خوباں میں لگے ہیں

(از: شمس تبریز خاکی مرکزی، بلگرام شریف

جو کارِ ثنائے شہ خوباں میں لگے ہیں
گویا کہ وہ خوشنودیِ یزداں میں لگے ہیں

یہ کس نے کہا شکوۂ ہجراں میں لگے ہیں
اشکوں سے ہم آرائشِ مژگاں میں لگے ہیں

اس دردِ ولا کی وہ دوا سے نہیں واقف
بیمارِ محبت کے جو درماں میں لگے ہیں

وہ داغ تو بس آبِ ندامت سے دھلیں گے
جو داغ گنہ کے ترے داماں میں لگے ہیں

بقیہ ص ۴۸ پر

ہم ہاتھ اٹھانا بھی خدا بھول گئے ہیں

(از: مولانا محمد تحسین رضا قادری، کانپور

کرنی تھی ہمیں دل سے دعا بھول گئے ہیں
ہم ہاتھ اٹھانا بھی خدا بھول گئے ہیں

بس شکوے شکایات ہی کرتے رہے ہم لوگ
تقدیر میں جو تو نے لکھا بھول گئے ہیں

اچھائی کا احسان نہیں مانتا کوئی
جو کچھ بھی کیا اچھا برا بھول گئے ہیں

گھر تیرے نہیں جاتے عبادت کے لئے ہم
اعلان کی آتی صدا بھول گئے ہیں

تحسینؔ کو احساس ندامت ہے یقیناً
افسوس تجھے ہم اے خدا بھول گئے ہیں

کیسے بندے ہیں یہ بندے کہ خدا یاد نہیں

(از: غلام غوث اجملؔی پورنوی

کیسے بندے ہیں یہ بندے کہ خدا یاد نہیں
وہ مسلمان ہیں اسلامی ادا یاد نہیں

اے طلبگار ظفر، طالب تسکین جگر
در بدر بھٹکے مؤذن کی صدا یاد نہیں

وہ دعا جو کہ بدل دیتی ہے تقدیر جہاں
کیسے تقدیر ہو اچھی وہ دعا یاد نہیں

رب نے پیدا ہے کیا اپنی عبادت کے لیے
پاس قرآن تو ہے حکم خدا یاد نہیں

خاک ہو خاک رہو نار سے اونچا نہ اڑو کہ جو
"لاتمش" خدا نے ہے کہا" یاد نہیں

جیے بے خوف رہے یاد خدا سے غافل
پیچھے دنیا کے پڑے بندے ذرا یاد نہیں

موت ہے سامنے مرنا ہے یقیناً لیکن
موت کیوں ہوگی رے نادان بتا! یاد نہیں

بقیہ ص ۴۸ پر

منظومات

شاہ بطحا کا امتی ہوں میں

از: مولانا محمد جسیم اکرم مرکزی، جامعۃ الرضا بریلی شریف

شاہ بطحا کا امتی ہوں میں
یعنی سچا محمدی ہوں میں
نوری رضوی ہوں قادری ہوں میں
اور خوشی یہ کہ مرکزی ہوں میں

بقیہ ص ۳۲ پر

عرس صدر الشریعہ

آج اس عالم ربانی کا عرس مبارک ہے جسے امام اہل سنن فخر زمین وزمن سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدر الشریعہ فرمایا اور پورے ملک ہندوستان کا قاضی مقرر فرمایا، اعلیٰ حضرت کے خلفا و تلامذہ میں سب سے بافیض اور کثیر الفوائد کوئی شخصیت نظر آتی ہے تو وہ ذات حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی ہے۔

جس طرح اعلیٰ حضرت کو صدر الشریعہ کی صلاحیت وقابلیت اور تفقہ پر اعتماد ووثوق تھا، اسی طرح آپ کے دونوں شہزادگان یعنی حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری اور مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفی رضا خان قادری نوری کو بھی صدر الشریعہ کی تدریس وتعلیم اور فقہی بصیرت کا اعتراف تھا، جس کا اظہار ان حضرات نے مختلف مواقع پر فرمایا۔

صدر الشریعہ اپنی تمام تر خوبیوں اور کمالات کے باوجود ہمیشہ اپنے مربی ومرشد اجازت وخلافت سیدنا اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کے فرزندان گرامی کو فوقیت دیتے رہے، کبھی بھی انہوں نے اپنی قابلیت اور خدمات کو اعلیٰ حضرت یا شہزادگان کے مقابلے میں نہیں پیش کیا، صدر الشریعہ کی اسی وفاشناسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خانوادۂ صدر الشریعہ کے بچے بچے کے قلوب واذہان میں اعلیٰ حضرت بسے ہوئے ہیں۔

آج کل تو ہر چھوٹے بڑے کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے، پہلے گنے چنے بزرگوں کا عرس ہوتا تھا وہ بھی بہت محدود طریقے پر لیکن دور حاضر میں اعراس کے نام پر اپنی واہ واہی اور خود کی مدح وستائش وریا ونمود کی گرم بازاری ہے، جس کسی مولوی، حافظ، قاری مؤذن کی دنیا سے رخصتی ہوئی کہ اس کی اولادیں عرس سراپا قدس کے پرچار و پرسار میں مبتلا ہو گئیں۔

پہلے پوری دنیا میں سنی مسلمانوں کی پہچان حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے انعقاد اور اعراس بزرگاں سے ہوتی تھی لیکن اب تو میلاد بھی اعراس کی طرح اتنا عام ہو گیا کہ نہ پوچھئے، بہر حال! اعلیٰ حضرت کے بعد اگر کوئی شخصیت اس درجے کی ہو کہ جس کو یاد کیا جائے، جس کی خدمات کا اعتراف کیا جائے، جس کی صلاحیت وقابلیت کا خطبہ پڑھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں نمایاں نام حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی بن حکیم جمال الدین بن خدا بخش گھوسوی کا ہونا چاہیے۔

یہ عرس ایسے بافیض عالم وفقیہ کا ہے کہ جس پر اہل علم واہل تقویٰ کو ہمیشہ ناز رہا، بعض حضرات کو فقہ میں مہارت ہوتی ہے بعض کو حدیث میں بعض کو تصنیف وتالیف میں قدرت حاصل ہوتی ہے مگر صدر الشریعہ کو اللہ رب العزت نے جامع کمالات بنایا تھا، خواہ تدریس ہو کہ تصنیف یا تقریر ومناظرہ جس جہت سے دیکھیں ان کی شان مثل آفتاب ومہتاب کے نظر آتی ہے۔

وہ اپنے زمانے کے علما اور فقہا میں مختلف وجہوں سے فائق تھے، ان کی درسگاہ نے بڑے ماہر اساتذہ پیدا کیے، مصنف ومناظر وقائد پیدا کیے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے تلامذہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کا سپاہی بنایا۔

اللہ رب العزت حضرت صدر الشریعہ کے فیضان سے عالم اسلام وسنیت کو بہرہ ور فرمائے اور آپ کے سچے جانشین، مقتدائے قوم، پیشوائے امت، محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور حضرت کا سایۂ کرم ہم سب پر دراز کرے، آمین۔

از: انیس عالم سیوانی
نائب قاضی شرع، لکھنو
۲/ ذی قعدہ ۱۴۴۷ھ

सुन्नी दुनिया में इश्तिहार देकर अपने कारोबार और इदारे को फ़रोग़ दें

Monthly Package Four Colour महाना पैकेज फोर कलर

S. No.	Adv. Space	کوارٹر پیج Quarter Page	ہاف پیج Half Page	فل پیج Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	8000/-	10000/-	15000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	6000/-	8000/-	12000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	4000/-	6000/-	10000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Quarterly Package Four Colour तिमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	20000/-	25000/-	35000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	15000/-	20000/-	30000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	10000/-	15000/-	25000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Half Yearly Package Four Colour छमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	30000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	20000/-	35000/-	50000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	15000/-	25000/-	40000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Yearly Package Four Colour सालाना पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	50000/-	70000/-	100000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	35000/-	60000/-	80000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	25000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Black & White Package any in side Magzine ब्लैक एण्ड व्हाईट पैकेज रिसाला में कहीं भी

1	Monthly	1500/-	3000/-	5000/-	ماہانہ	۱
2	Quarterly	4000/-	8000/-	12000/-	سہ ماہی	۲
3	Half Yearly	7000/-	12000/-	16000/-	ششماہی	۳
4	Yearly	10000/-	16000/-	20000/-	سالانہ	۴

नोट:-

1. तीन महीने का मतलब कोई भी तीन महीने, इसी तरह 6 या 12 महीने का मतलब कोई भी 6 या 12 महीने।
2. वक़्त और हालात के पेशे नज़र इश्तिहार की इबाअत मुक़द्दम व मुवख़्ख़र भी हो सकती है।
3. पूरे इश्तिहार की रक़म एक मुश्त पेशगी जमा करनी होगी।

Contact: 82 Saudagaran, Dargah Aalahazrat, Bareilly Sharif (U.P.), Pin - 243003, Mob. 9411090486
Account Details: Asjad Raza Khan, SBI A/c No. 10592358910, IFSC Code: SBIN0000597

RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2026-28

MAY-2026
PAGES 56 WITH COVER

PER COPY : ₹ 30.00
PER YEAR : ₹ 350.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan